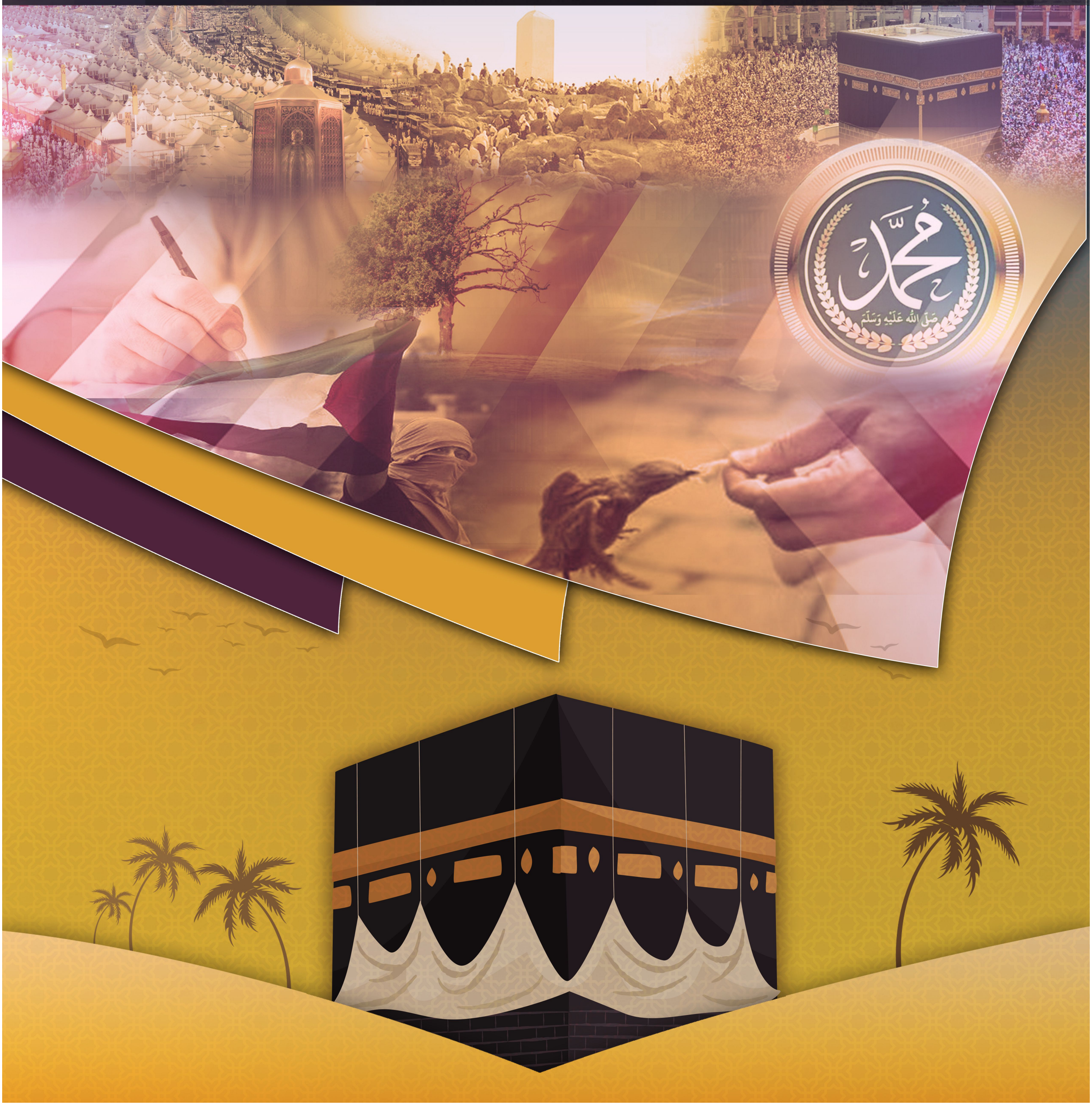
ماہنامہ

صراطِ مستقیم

برمنگھم

May 2023



وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

صراطِ مستقیم برمنگھم

بیاد

مولانا فضل کریم عاصم رحمہ اللہ

مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ

Vol: 43 No. 07 May 2023

Shawal/Dhul-Qidah 1444 AH

جلد:43 شمارہ:07 مئی 2023ء

شوال/ذوالقعدہ:1444ھ

فہرست مضامین

Correspondence Address:
SIRAT-E-MUSTAQEEM
20 Green Lane, Small Heath,
Birmingham B9 5DB
Tel: 0121 773 0019
Fax: 0121 766 8779

ناشر: مرکزی جمعیت اہل حدیث برطانیہ

Markazi Jamiat Ahl-e-Hadith UK

www.mjah.org.uk/siratemustaqeem

E-mail: info@mjah.org.uk



الحمد للہ! ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے! اس نے اہلِ ایمان کی قدر اپنی نظروں میں بھی بہت بلند رکھی ہے، اپنی زمین اور اپنے آسمان میں بھی ان کی تعریف اور ذکرِ خیر کے چرچے کیے، ان کے لیے اپنے فضل و رحمت کے دروازے کھولے اور پھر ان پر احسانات اور نوازشیں فرمائیں۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں۔ وہ واحد ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ تخلیق میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں اور حکم چلانے میں بھی اس کا کوئی ثانی نہیں۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کا وصف بیان کرنے سے نظم بھی قاصر ہے اور نثر بھی۔ اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، استقامت کے ساتھ آپ کی پیروی کرنے والوں پر، ایسی رحمتیں اور سلامتیاں جن میں کبھی کمی واقع نہ ہو۔

بعد ازاں! میں اپنے آپ کو اور آپ سب کو اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اللہ آپ پر رحم فرمائے!

اللہ سے ڈرو۔ اس سے ڈرو، تاکہ وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے، اور تمہیں بہت بڑے اجر سے نوازے۔

اے مؤمنو! انسانی زندگی بہت محدود سی ہے، اس کے دن گنے چنے اور زوال پذیر ہیں، وہ گزشتہ کل کتنا قریب اور خوشگوار لگتا ہے کہ جب ہم ایک دوسرے کو رمضان المبارک کی آمد کی خوش خبریاں دے رہے تھے، لیکن آج رمضان کا مہینہ تاریخ کا حصہ بن چکا ہے، بچا ہے تو صرف اس سے حاصل ہونے والا سبق اور نصیحتیں ہی بچی ہیں۔

اے ماہِ رمضان! اے بابرکت مہینے!

تم ہی روزوں اور تہجد کے مہینے ہو، تم ہی جبرائیل اور دوسرے فرشتوں کے نزول کا مہینہ ہو۔ تم آئے تو خوشی کی لہر دوڑ گئی، پھر تم نے ہمارا خوب اکرام کیا اور ہمیں بہت کچھ دیا، مگر اب منہ موڑ کر چل پڑے ہو۔

تو اے اللہ! ہم تیری حمد و ثنا بیان کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں رمضان پانے اور اس کے اختتام کو دیکھنے کا موقع دیا۔

اے اللہ! اس میں جو روزے ہم نے رکھے اور جو تہجد گزاری ہم نے کی، وہ ہم سے قبول فرما، اگلا رمضان بھی ہمیں نصیب فرما، اسے ہمارے لیے سلامت رکھنا اور ہمیں اس کے لیے سلامت رکھنا۔

سنو! بہت سے لوگوں نے رمضان میں فرمان برداری کا مزا چکھا، ان کے دل مسجدوں اور باجماعت نماز سے جڑ گئے، مگر اس کے ختم ہوتے ہی وہ غفلت اور کوتاہی کی طرف چل پڑے ہیں۔

سنو! جو رمضان کی عبادت کرتا تھا، وہ جان لے کہ رمضان تو گزر گیا اور جو اللہ کی عبادت کرتا ہے، تو اللہ تو زندہ اور ہمیشہ رہنے والا ہے۔

اللہ کے بندو! قبولیت کی علامت یہ ہے کہ عبادت پر استقامت مل جائے، عبادت قبول نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ انسان پھر سے گناہوں میں لگ جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا 0 وَإِذًا لَّآتَيْنَاهُم مِّن لَّدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا 0 وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ (سورۃ النساء: 66-68)

”حالانکہ جو نصیحت انہیں کی جاتی ہے، اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے اور انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتے۔“

رمضان المبارک میں جو نیکیاں کی ہیں، ان کی حفاظت ضروری ہے، جن گناہوں سے دوری اختیار کی ہے، اس سے ہمیشہ کے لیے رک جانا انتہائی اہم ہے۔

إِذَا ما المرءُ صامَ عن الدنايا
فكلُّ شهورِه شهرُ الصيامِ

”اگر انسان حقیر اور بے قیمت چیزوں سے روزے میں رہے، تو اس کے سارے مہینے ہی رمضان بن جاتے ہیں“

اے مسلمانو!

نیکی کے دروازے کھلے ہیں، مگر ان کا رخ کرنے والے کہاں ہیں، بھلائی کے چشمے بھی جاری ہیں، مگر ان سے سیر ہونے والے کہاں ہیں؟ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ (سورۃ المائدۃ: 48)

”تو تم بھلائیوں کی طرف سبقت کرو۔“

اسی طرح فرمایا:

﴿وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (سورۃ آل عمران: 133)

”دوڑ کر چلو اُس راہ پر جو تمہارے رب کی بخشش اور اُس جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور

آسمانوں جیسی ہے، اور وہ پرہیز گاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔"

اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"قال الله -تعالى-: وَمَا تَقَرَّبَ إِلَيَّ عَبْدِي بِشَيْءٍ أَحَبَّ إِلَيَّ مِمَّا افْتَرَضْتُ عَلَيْهِ، وَمَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ حَتَّى أُحِبَّهُ، فَإِذَا أَحْبَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ الَّذِي يَسْمَعُ بِهِ، وَبَصَرَهُ الَّذِي يُبْصِرُ بِهِ، وَيَدَهُ الَّتِي يَبْطِشُ بها، وَرِجْلَهُ الَّتِي يَمْشِي بها، وَإِنْ سَأَلَنِي لَأُعْطِيَنَّهُ، وَلَئِنِ اسْتَعَاذَنِي لَأُعِيذَنَّهُ"

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرا بندہ میرے قرب کی تلاش میں ان عبادتوں سے اچھا کوئی ذریعہ اپنا ہی نہیں سکتا، جو میں نے اس پر فرض کر دی ہیں، پھر میرا بندہ نفل عبادتوں کے ذریعے میرے قرب کا متلاشی رہتا ہے، یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں۔ پھر جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں، جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے، اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے، یہاں تک کہ اگر وہ مجھ سے مانگے تو میں اسے ضرور دوں اور اگر کسی چیز سے پناہ چاہے تو میں اسے ضرور پناہ دوں۔"

نماز اسلام کا ستون ہے۔ عبادتوں کی چوٹی ہے، یہ دل کو تہذیب سکھاتی ہے، یہ گناہوں سے پاک کرتی ہے، یہ جسم کو توانا کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الصلواتُ الخمسُ، والجُمُعةُ إلى الجُمُعةِ، ورمضانُ إلى رمضانَ مكفِّرات ما بينهنّ إذا اجتُنبت الكبائرُ" (أخرجه مسلم)

"پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعے تک اور ایک رمضان اگلے رمضان تک کے گناہ معاف کرا دیتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ کبائر سے بچا جائے۔"

جو ان فرض عبادتوں کے ساتھ نفل عبادتیں بھی کرتا ہے، اس کے لیے جنت میں گھر بنا دیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يُصَلِّي لِلهِ كُلَّ يَوْمٍ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً تَطَوُّعًا غَيْرَ فَرِيضَةٍ، إِلَّا بَنَى اللهُ لَهُ بَيْتًا فِي الْجَنَّةِ" (أخرجه مسلم).

"جو بھی مسلمان ایک دن میں فرض نمازوں کے علاوہ اللہ کے لیے بارہ رکعت نفل نماز ادا کرے گا، اللہ اس کے لیے جنت میں گھر بنا دے گا۔"

اسی طرح تہجد گزاری کرنا سال کی ہر رات میں مسنون عبادت ہے، یہ صرف رمضان تک محدود نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"أفضل الصلاة بعد الفريضة صلاة الليل" (أخرجه مسلم)

"فرض نماز کے بعد سب سے افضل نماز رات کی نماز ہے۔"

سیدنا مغیرہ بن شعبہ بیان کرتے ہیں: "نبی کریم ﷺ اتنی طویل تہجد پڑھتے تھے کہ آپ ﷺ کے قدموں یا پنڈلیوں میں ورم آ جاتا تھا، جب آپ سے اس بارے میں کچھ کہا جاتا تو فرماتے:

أفلا أكون عبدًا شكورًا" (أخرجه البخاري ومسلم).

"کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں۔"

روزہ ایک بہترین نیکی ہے، اس کا اجر بہت زیادہ ہے۔ حدیث قدسی میں آتا ہے:

"كلُّ عملِ ابنِ آدمَ له إلا الصومُ، فإنّه لي، وأنا أَجزِي به"

"ابن آدم کا ہر کام اسی کے لیے ہے سوائے روزے کے، وہ تو میرے لیے ہوتا ہے اور میں ہی اس کا انعام دوں گا۔"

اسی طرح رمضان کے بعد ماہِ شوال میں چھ روزے رکھنے کی تلقین کی گئی ہے۔ جو ایسا کرے گا اسے سال بھر روزے رکھنے کا اجر ملے گا، جیسا کہ صحیح روایت میں ثابت ہے۔ سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

"جعَل اللهُ الحسنةَ بعشر، فشهرٌ بعشرةِ أشهُرٍ، وستةُ أيامٍ بعدَ الفطر تمامُ السنةِ" (أخرجه النسائي وابن ماجه).

"اللہ نے ایک نیکی کے بدلے دس نیکیاں رکھی ہیں، اس طرح رمضان کا مہینہ دس مہینوں کے برابر ہوا اور شوال کے چھ روزے بقیہ سال کو مکمل کر دیتے ہیں"

اسی طرح روزوں کے حوالے سے یہ بھی مستحب ہے کہ ہر مہینے میں تین روزے رکھے جائیں، پیر اور جمعرات کا روزہ رکھا جائے، عرفات کے دن کا روزہ رکھا جائے، ماہ محرم کے روزے رکھے جائیں اور ماہ شعبان میں بھی روزے رکھے جائیں۔

جہاں تک قرآن کریم کا تعلق ہے تو اللہ کا کلام سب سے سچا کلام ہے، سب سے اچھی باتیں ہیں، یہ ہدایت کا سرچشمہ ہے، رحمت کا مصدر ہے، نور کا مرکز ہے۔ جو اسے پڑھتا یا اس کی تلاوت کرتا ہے تو گویا کہ رحمٰن کو مخاطب کرتا ہے۔ تلاوت کرنے والے کے ساتھ بہت بڑے اجر اور بہت بڑی عطا کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَنْ تَبُورَ * لِيُوَفِّيَهُمْ أُجُورَهُمْ وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ إِنَّهُ غَفُورٌ شَكُورٌ﴾ (سورۃ فاطر: 29-30)

"جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے اُنہیں رزق دیا ہے اس میں سے کھلے اور چھپے خرچ کرتے ہیں، یقیناً وہ ایک ایسی تجارت کے متوقع ہیں جس میں ہر گز خسارہ نہ ہو گا۔ تاکہ اللہ اُن کے اجر پورے کے پورے اُن کو دے اور مزید اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائے بے شک اللہ بخشنے والا اور قدردان ہے۔"

ارشادِ نبوی ہے:

"اقرؤوا القرآنَ؛ فإنّه يأتي يومَ القيامة شفيعًا لأصحابه" (أخرجه مسلم)

"قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو، کیونکہ یہ روزِ قیامت اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

"مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرُجَّةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ، وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ طَعْمُهَا طَيِّبٌ وَلَا رِيحَ لَهَا"

"قرآن پڑھنے والے مومن کی مثال سنگترے کی سی ہے، جس خوشبو بھی بہترین اور ذائقہ بھی خوب ہوتا ہے، اور قرآن نہ پڑھنے والے مومن کی مثال کھجور کی سی ہے، جس کا ذائقہ خوب مگر خوشبو نہیں ہوتی۔"

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا:

"الماهر بالقرآن مع السَّفَرة الكرام البَرَرة، والذي يقرأ القرآن ويتعتع فيه وهو عليه شاق له أجران" (أخرجهما البخاري ومسلم).

"خوب مہارت سے تلاوتِ قرآن کرنے والا تو نیک اور معزز لوگوں کے ساتھ ہو گا اور جو اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اور اسے تلاوت میں بہت دقت ہوتی ہے، اسے دو اجر ملتے ہیں۔"

عبادتیں صرف اتنی ہی نہیں ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عبادت کی بے شمار شکلیں رکھی ہیں، فرمان برداری کے طریقے بھی بہت زیادہ بنائے ہیں، تاکہ سب ان کا رخ کریں اور پوری توجہ کے ساتھ ان میں لگ جائیں۔ تو غور کریں کہ اللہ کی عطائیں کتنی زیادہ ہیں، اس کی کرم نوازی کتنی واضح اور ظاہر ہے۔

میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں شیطان مردود سے!

﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ * أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (سورۃ الأحقاف: 13-14)

"یقیناً جن لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ ہی ہمارا رب ہے، پھر اُس پر جم گئے، اُن کے لیے نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ایسے سب لوگ جنت میں جانے والے ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے اپنے اُن اعمال کے بدلے جو وہ دنیا میں کرتے رہے ہیں۔"

اللہ مجھے اور آپ کو قرآن حکیم سے برکت عطا فرمائے! نبی کریم ﷺ کی ہدایت سے فائدہ پہنچائے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اپنے لیے، آپ کے لیے اور تمام مسلمان مردوں اور عورتوں کے لیے ہر گناہ اور غلطی کی معافی مانگتا ہوں۔ آپ بھی اسی سے معافی مانگو۔ یقیناً! وہ معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

دوسرا خطبہ

ہر طرح کی حمد و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے! جو اس کے ساتھ تعلق جوڑتا ہے، اللہ بھی اس سے رابطہ بحال رکھتا ہے، اس پر اپنا فضل فرماتا ہے اور اس کی دعا سنتا ہے۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی الہ نہیں، وہ شریکوں، مشابہت رکھنے والوں اور تمام تر خیالات سے بالا تر ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ آپ ﷺ کے ذریعے دینِ اسلام کے علم کو سربلندی ملی، اللہ کی رحمتیں، برکتیں اور سلامتی ہو آپ ﷺ پر، آپ ﷺ کی آل پر، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر اور استقامت کے ساتھ کی پیروی کرنے والوں پر۔

بعد ازاں! اللہ کے بندو! اللہ سے ڈرو!

جان رکھو کہ مستقل مزاجی سے کی جانے والی عبادت کم بھی ہو، تو بھی غیر مستقل عبادت سے بہتر ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"أحبُّ الأعمال إلى الله أدومها وإن قلّ"

"اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب نیکیاں وہ ہیں جو مستقل مزاجی سے کی جاتی ہوں، چاہے وہ کم ہی کیوں نہ ہوں۔" (أخرجه البخاري ومسلم)

عبادت قبول وہی ہوتی ہے جو اللہ کے لیے خالص ہو اور درست بھی ہو۔ جس عبادت میں یہ دونوں چیزیں نہ ہوں یا ان میں سے کوئی ایک نہ ہو تو وہ اسے کرنے والا گناہ گار ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ (سورة الكهف: 110)

"پس جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور بندگی میں اپنے رب کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ کرے۔"

اللہ تعالیٰ بہت قدردان اور کریم ہے، وہ نیکی کرنے والے کو دنیا میں دلی سعادت نصیب فرماتا ہے، اسے شرح صدر بھی نصیب کرتا ہے، اس کے نفس کو مضبوط بھی کرتا ہے، آنکھوں کی ٹھنڈک بھی دیتا ہے، شیطان سے بھی محفوظ کرتا ہے اور آخرت میں رحمت، عفو و درگزر، خوشنودی اور جنت سے نوازتا ہے۔

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهُ حَيَاةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ

أَجْرَهُم بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (سورة النحل: 97)

"جو شخص بھی نیک عمل کرے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن، اسے ہم دنیا میں پاکیزہ زندگی بسر کرائیں گے اور ایسے لوگوں کو ان کے اجر ان کے بہترین اعمال کے مطابق بخشیں گے۔"

درود وسلام بھیجو نبی قرشی، ہاشمی محمد بن عبد اللہ ﷺ پر۔ اے اللہ! رحمتیں، سلامتی اور برکتیں نازل فرما آپ ﷺ پر، اہل بیت پر اور صحابہ کرام پر، تابعین پر اور قیامت تک ان کے نقش قدم پر چلنے والوں پر۔ اے کریم اور دینے والے! اپنے فضل وکرم سے ہم سب سے راضی ہو جا۔

اے اللہ! اسلام اور مسلمانوں کو عزت عطا فرما! دین کے مرکز کی حفاظت فرما! اپنے مومن بندوں کی نصرت فرما! اے اللہ! تمام مسلمانوں کی پریشانیاں دور فرما! مصیبت زدہ مسلمانوں کی مصیبتیں دور فرما۔ قرض داروں کے قرض ادا فرما۔ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے بیماروں کو شفا عطا فرما! اے سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والے! اے اللہ! ہمیں ہمارے ملکوں میں امن نصیب فرما! ہمارے حکمرانوں اور اماموں کی اصلاح فرما! حق کے ساتھ ہمارے حکمران اور امام کی تائید فرما۔ اے اللہ! اے پروردگار عالم! اسے اور اس کے ولی عہد کو ان کاموں کی توفیق عطا فرما جن میں ملک اور قوم کی فلاح وبہبود ہے۔

اے اللہ! سرحد پر تعینات فوجی جوانوں کے نشانے درست فرما۔ اے اللہ! تو ان کا معین اور مددگار بن جا۔ ان کی تائید کرنے والے اور نصرت کرنے والا بن جا۔ اے اللہ، ہم تجھ سے نفع بخش علم کا کشادہ رزق کا، اور نیک عمل کا سوال کرتے ہیں۔

اے اللہ! ہر معاملے میں ہمارا انجام بھلا بنا۔ دنیا کی رسوائی اور عذاب آخرت سے ہمیں محفوظ فرما!

﴿رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ (سورة آل عمران: 53)

"پروردگار! جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔"

﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (سورة البقرة: 201)

"اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی! اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا!۔"

اللہ کے بندو!

﴿إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَى وَيَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ 0 وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (سورة النحل: 90-91)

"اللہ عدل واحسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے، بدی، بے حیائی اور ظلم وزیادتی سے منع کرتا ہے، وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو * اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم نے اس سے کوئی عہد باندھا ہو، اور اپنی قسمیں پختہ کرنے کے بعد توڑ نہ ڈالو جبکہ تم اللہ کو اپنے اوپر گواہ بنا چکے ہو اللہ تمہارے سب افعال سے باخبر ہے۔"

☆☆☆

شوال کے 6 روزے

حدیث رسول ﷺ کے مطابق: جس نے رمضان کے روزے رکھے پھر اُس کے بعد 6 دن شوال کے روزے رکھے تو وہ ایسا ہے گویا اُس نے سال بھر روزے رکھے۔ (صحیح مسلم: 1164)

شوال کے 6 روزوں کے سنت رسول ﷺ ہونے پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کو بشارت دی ہے کہ ماہِ رمضان کے روزے رکھنے کے بعد شوال کے 6 روزے رکھنے والا اس قدر اجر وثواب کا حقدار ہوتا ہے کہ گویا اس نے پورے سال روزے رکھے۔

قانون الٰہی کے مطابق ایک نیکی کا ثواب کم از کم 10 گنا ملتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "جو شخص ایک نیکی لے کر آئے گا اس کو 10 نیکیوں کا ثواب ملے گا۔" (سورۃ الانعام: 160)

حدیث رسول ﷺ کے مطابق جب کوئی ماہ رمضان کے روزے رکھے گا تو 10 مہینوں کے روزوں کا ثواب ملے گا۔ (سنن ابن ماجہ: 1715)

حدیث رسول ﷺ کے مطابق جب شوال کے 6 روزے رکھے گا تو 60 دنوں کے روزوں کا ثواب ملے گا تو اس طرح مل کر 12 مہینوں یعنی ایک سال کے برابر ثواب ہو جائے گا۔ (سنن ابن ماجہ: 1715)

حدیث رسول ﷺ کے مطابق رمضان المبارک کے روزوں میں جو کوتاہیاں سرزد ہو جاتی ہیں شوال کے ان 6 روزوں سے اللہ تعالیٰ اس کوتاہی اور کمی کو دور فرما دیتے ہیں۔ (صحیح الجامع: 3094)

احادیث میں شوال کے 6 روزے مسلسل رکھنے کا ذکر نہیں۔

لہٰذا یہ 6 روزے ماہِ شوال میں عید الفطر کے بعد لگاتار یا وقفے وقفے سے رکھے جاسکتے ہیں۔

کسی شخص کے رمضان کے روزے کسی عذر کی وجہ سے چھوٹ گئے تو وہ روزوں کی قضا سے پہلے شوال کے 6 روزے رکھ سکتا ہے۔

کسی شخص نے ان 6 روزوں کو رکھنا شروع کیا، لیکن کسی وجہ سے ایک یا 2 روزہ رکھنے کے بعد دیگر روزے نہیں رکھ سکا تو اس پر باقی روزوں کی قضا نہیں ہے۔

اگر کوئی شخص ہر سال شوال کے 6 روزوں کے رکھنے کا اہتمام کرتا ہے مگر کسی سال نہ رکھ سکے تو وہ گناہ گار نہیں اور نہ ہی اس پر ان روزوں کی قضا واجب ہے۔



حج بیت اللہ کرنا، اسلام کے اہم فرائض میں داخل ہے۔ جس کی فرضیت قرآن، سنت اور اجماع امت ان تینوں سے ثابت ہے۔اس سلسلہ میں ارشاد ربانی ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبَارَكاً وَهُدًى لِّلْعَالَمِيْنَ 0 فِيْهِ آيَاتٌ بَيِّـنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيْمَ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِناً وَلِلّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيْلاً وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ الله غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِيْنَ﴾(سورہ آل عمران 96-97)

"بے شک سب سے پہلی عبادت گاہ جو انسانوں کیلئے تعمیر ہوئی وہ وہی ہے جو مکہ میں واقع ہے۔اس کو خیر و برکت دی گئی اور تمام جہاں والوں کیلئے مرکز ہدایت بنایا گیا تھا۔ اس میں کھلی ہوئی نشانیاں ہیں،سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا مامون ہو گیا۔لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم کی پیروی سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔"

آیت کریمہ سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی کہ کعبۃ اللہ کی کتنی عظمت ہے کہ سارے لوگوں کیلئے مرکز ہدایت ہے، برکت کا مقام ہے،سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مقام عبادت بھی وہیں پر ہے، اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم نشانی زم زم کا کنواں ہے اور اس کی خصوصیت یہ ہے کہ جو بھی اس کے اندر (حدود) حرم میں داخل ہو گیا وہ امن پالیا،لہٰذ اب جو کوئی اس متبرک مقام تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اسے چاہئے کہ ضرور بہ ضرور اس کا حج کرے۔لہٰذ جو کوئی بھی اس حکم کی فرمانبرداری سے جی چرائے گا اللہ (اس سے بلکہ) تمام دنیا سے بے پرواہ ہے۔

سیدنا ابوہریرہ ؓ کی ایک روایت ہے جس میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد یوں آیا ہے:

"اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے لہٰذ تم حج کرو۔" (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

سیدنا ابن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ فرمایا:

"اسلام میں صیرورت نہیں ہے۔"

یعنی حج کی استطاعت کے باوجود حج کئے بغیر مر جانا نہیں ہے۔ (سنن ابوداؤد)

اسی طرح سیدنا عبدالرحمان بن سابط ؓ کی روایت ہے جس میں حضور ﷺ کا یہ ارشاد آیا ہے:

"جو شخص حج کئے بغیر مر گیا حالانکہ اس کے راستے میں نہ کوئی مرض، نہ کوئی ظالم حکمراں اور نہ کوئی واضح ضرورت حائل ہوئی، تو وہ چاہے یہودی ہو کر یا نصرانی ہو کر جس طرح چاہے مر جائے۔"

اس ارشاد گرامی سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ جو شخص، قوت و طاقت صلاحیت اور حالات کے ساز گار ہوتے ہوئے بھی اس عظیم فریضہ سے جی چراتا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے مرے گا یا نہیں اس کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔

مذکورہ بالا آیت کریمہ اور احادیث شریفہ سے ہمیں یہ معلوم ہوا کہ حج کی کتنی اہمیت ہے لہٰذ ہمیں چاہئے کہ حج کی استطاعت پیدا ہوتے ہی اس فرض کو ادا کرنے میں عجلت کرنی چاہئے جیسے نماز کا وقت شروع ہوتے ہی اذان کے ساتھ ہم مسجد کی طرف لپکتے ہیں اسی طرح حج بیت اللہ کی طرف بھی جلدی کرنی چاہئے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس ؓ اپنے بھائی سیدنا فضل ؓ سے یا سیدنا فضل ؓ اپنے بھائی سیدنا عبداللہ ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص حج کا ارادہ رکھتا ہو، اسے جلدی کرنا چاہئے اس لئے کہ اسے بیماری آسکتی ہے،اس کی سواری گم ہو سکتی ہے یا اسے کوئی اور ضرورت پیش آسکتی ہے۔"

(مسند احمد؛ سنن ابن ماجہ؛ سنن بیہقی؛ سنن دارمی)

اسی طرح سیدنا ابن عباس ؓ سے ایک روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"حج کی ادائیگی میں جلدی کرو اس لئے کہ تم میں سے کوئی شخص یہ نہیں جانتا کہ اسے کب کوئی رکاوٹ پیش آجائے۔" (مسند احمد، سنن ابوداؤد)

سیدنا فاروق اعظم ؓ کے نزدیک جو شخص باوجود استطاعت کے حج نہیں کرتا وہ مسلمان نہیں۔

مسند سعید بن منصور میں ہے کہ سیدنا فاروق اعظم ؓ نے فرمایا: میرا قصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگادیں وہ مسلمان نہیں ہیں ۔(ابن کثیر)

اس بات پر تمام ائمہ کرام کا اجماع ہے کہ کسی بھی شخص خواہ وہ مرد ہو یا عورت حج کی فرضیت کیلئے پانچ چیزوں کی شرط لازمی ہے:

1۔ مسلمان کا ہونا ضروری، اس لئے کہ دین کے جتنے بھی احکام ہیں ان کے مخاطب صرف اہل ایمان ہی ہیں۔

2اور3۔ وہ عاقل و بالغ ہو کیونکہ جو بلوغ کو نہ پہنچے اور جن کی دماغی حالت ٹھیک نہ ہو وہ کسی شرعی حکم کے مکلف نہیں ہیں۔ اس سلسلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”تین شخص مرفوع القلم ہیں (یعنی کسی شرعی حکم کے مکلف نہیں ہیں) ایک سویا ہوا یہاں تک کہ بیدار ہو جائے، دوسرا بچہ یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے۔“ (سنن ابو داؤد، جامع ترمذی، سنن ابن ماجہ)

4۔ وہ آزاد ہو یعنی وہ کسی کا غلام نہ ہو۔ (کیونکہ اس کے پاس اتنی استطاعت ہی نہیں رہتی کہ وہ خود سے کعبہ اللہ شریف تک پہنچ سکے۔)

5۔ (پانچویں چیز یہ کہ) خانہ کعبہ تک پہنچنے کی استطاعت۔ (المغنی : 3/121؛ بحوالہ فقہ السنہ)

لمحہ فکر

محترم قارئین! قرآن حکیم و ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالوں سے ہمارے سامنے یہ بات صاف طور پر آرہی ہے کہ اسلام میں حج کرنے کی کتنی اہمیت ہے اور نہ کرنے سے کیا کچھ ہونے والا ہے۔ شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے جو ہر وقت اہل ایمان کو نقصان پہنچانے کیلئے تیار رہتا ہے حج کے معاملہ میں بھی وہ دلوں میں طرح طرح کے وسوسہ ڈال کر بڑے بڑے مالداروں کو بھی اس اہم فریضہ سے غفلت میں ڈالدیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہمارے درمیان بعض بھائی ایسے پائے جاتے ہیں جو حج کے معاملے میں ٹالم ٹولی کا شکار ہو چکے ہیں، توجہ دلانے کے باوجود حج بیت اللہ کا ارادہ نہیں رکھتے اور مختلف بہانے بناتے رہتے ہیں جس کی طرف فوری توجہ کرتے ہوئے اصلاح کرنے کی ضرورت ہے۔

ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد جس میں یہ بات آئی ہے کہ جو لوگ استطاعت رکھنے کے باوجود حج کو نہیں نکلتے خواہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر جس طرح چاہئے مر جائے۔

اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ان لوگوں کیلئے ایک لمحہ فکر دے رہا ہے کہ حج فرض ہونے اور استطاعت حاصل ہونے پر بھی حج نہیں کرتے وہ سوچ لیں کہ اپنا خاتمہ کس گروہ کے ساتھ پسند کرتے ہیں حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل ایمان کو ایمان پر خاتمہ کی دعا سکھلائی ہے۔

اَللّٰهمّ مَن أَحيَيْته مِنّا فَأَحيِهِ عَلَى الإِسلَام وَمَن تَوَفّيتَهُ مِنّا فَتَوَفّهُ عَلَى الإِيْمَانِ

”اے اللہ! ہم میں سے جسے تو زندہ رکھے اسے اسلام پر زندہ رکھ اور ہم میں سے جسے تو موت دے ایمان پر موت دے۔“

آدمی حج کے ذریعہ اپنی آخرت کو سنوار لیتا ہے کیونکہ حج بیت اللہ کے موقع پر حجاج جو کچھ بھی دعا مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے اور حاجی کی حیثیت اللہ تعالیٰ کے مہمان کی سی ہے۔

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”حج اور عمرہ کرنے والے اللہ تعالیٰ کے وفد (مہمان) ہیں۔ اگر وہ اس سے دعا کرتے ہیں تو وہ ان کی دعا قبول فرماتا ہے اگر اس سے بخشش طلب کرتے ہیں تو وہ انہیں بخش دیتا ہے۔“ (سنن نسائی، سنن ابن ماجہ)

حقیقت بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کسی کی بھی بخشش فرما دیا وہ بڑا کامیاب آدمی ہے لہٰذا اپنی بخشش طلب کرنے کیلئے حج جیسے فرض کی ادائیگی کیلئے ہمیں فکر مند ہو جانا چاہئے اور جن لوگوں سے اب تک اس سلسلہ میں جو غفلت ہو چکی اس سے جلد نکل کر حج بیت اللہ کیلئے تیاری کرنی چاہئے۔

کوشش کرنا ہمارا کام ہے اسباب کو پیدا کرنا اور کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا اللہ کے ذمہ۔

حج کا توشہ دان تقویٰ

جن لوگوں کو اللہ تبارک تعالیٰ نے حج بیت اللہ کی توفیق بخشی ہے وہ لوگ انتہائی قابل مبارکبادی کے مستحق ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں چند اہم اور ضروری باتیں ہیں جس کا پاس خیال رکھنا بے حد ضروری ہے جس کے بغیر حج کی برکتوں سے محرومی کا امکان باقی رہتا ہے۔

اللہ تبارک تعالیٰ حجاج کرام کیلئے چند آداب بتائے ہیں اس کے عین مطابق عمل کرنا ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿الْحَجُّ أَشْهُرٌ مَّعْلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلاَ رَفَثَ وَلاَ فُسُوقَ وَلاَ جِدَالَ فِيْ الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُواْ مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّهُ وَتَزَوَّدُواْ فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَى وَاتَّقُونِ يَا أُوْلِيْ الأَلْبَابِ﴾ (سورۃ البقرہ: 197)

”حج کے مہینے سب کو معلوم ہیں۔ جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے، اسے خبر دار رہنا چاہئے کہ حج کے دوران میں اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بد عملی، کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو۔ اور جو نیک کام تم کرو گے، وہ اللہ کے علم میں ہو گا۔ سفر حج کیلئے زاد راہ ساتھ لے جاؤ۔ اور سب سے بہتر زادِ راہ پر ہیز گاری ہے۔ پس اے ہوشمندو! میری نافرمانی سے پرہیز کرو۔“

آیت مذکورہ بالا کے ذریعہ اللہ تبارک تعالیٰ حجاج کرام کو 4 باتوں کی نصیحت فرماتا ہے کہ حالت احرام میں حاجی کو کس طرح رہنا چاہئے۔

1۔ حالت احرام میں میاں و بیوی کے درمیان تعلق زن و شو کو ممنوع قرار دیا گیا، ان کے درمیان گفتگو میں یہ احتیاط بھی ملحوظ رہنی چاہئے کہ
وہ کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نہ نکالیں جو شہوانی خواہشات کو ابھارتیں ہوں "رفث" کہتے ہی اس چیز کو ہیں کہ
(الجماع والافعاش للمرأة بالكلام) جماع کرنا یا اس کے متعلق باتیں کرنا۔
2۔ دوسری اہم بات اس سلسلہ کی یہ ہے کہ
ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ ہر وقت گناہوں سے بچتا رہے اللہ کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور یہ عمل پوری زندگی میں جاری رہے لیکن ایک حاجی کیلئے تو ظاہری و باطنی نافرمانیوں سے اجتناب کرنا بے حد ضروری ہے کیونکہ مناسک حج کا سارا عمل اللہ کی رضا و خوشنودی کیلئے ہے، لہٰذ ہر وقت اللہ تبارک تعالیٰ کی نافرمانی کے انجام بد سے ڈر کر ہمارے ایام حج گذریں۔
"فسوق" ایک ایسا جامع لفظ ہے جس میں (جميع المعاصي كلها) جس میں وہ تمام چھوٹے بڑے، ظاہر و پوشیدہ گناہ شامل ہیں، جس سے پرہیز کرنے کی حجاج کرام کو تاکید کی گئی۔ علاوہ ازیں:
3۔ تیسری چیز جس سے بچنے کی تائید فرمائی گئی وہ یہ ہے کہ
لڑائی جھگڑے کی کیفیت ہر گز پائی نہ جائے۔ حج بیت اللہ کا سفر حجاج کرام کیلئے ایک آزمائش سے کم نہیں ہے اس سلسلے کے لمحات بڑے صبر آزما ہوتے ہیں، گھر سے روانہ ہونے کے بعد سے لیکر گھر واپس لوٹنے تک صبر کا امتحان ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جنت و درجات جنت اللہ کی راہ میں صبر کرنے والے صابرین کیلئے ہی مہیا کئے گئے ہیں شیطان تو چاہتا ہے کہ مومن بندوں کے درمیان جھگڑا ہو، چھوٹی چھوٹی باتوں میں آکر یہ ایک دوسرے کا گریبان پکڑیں اور اپنے اعمال صالحہ غارت کرلیں۔
لہٰذ ایسے موقع پر جبکہ وہاں لاکھوں کا انسانی مجمع ہوتا ہے ہر ملک اور ہر خطہ سے لوگ وہاں جمع ہوتے ہیں، خواہ اپنے ملک کا حج ٹرمنل ہو یا جدہ کا ایرپورٹ بسوں میں چڑھتے وقت اترتے ہوئے، اپنی رہائش گاہوں میں، طواف کعبہ کے موقع پر، منیٰ میں قیام کے دوران غرض کہ ہر موقع پر حجاج ایک دوسرے کا احترام کریں تکلیف نہ پہنچائیں سخت الفاظ اپنی زبان سے ہرگز نہ نکالیں یہاں تک کہ اپنے خادمین کے ساتھ بھی بھلائی سے پیش آئیں۔ دراصل سفر حج ایک تربیت ہے، لہٰذا لڑائی جھگڑا تربیت نفس کو ضائع کر کے رکھ دیتا ہے اس سے بچنے کی پوری پوری کوشش کرنی چاہئے۔
4۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی اور اہم بات جو ساری باتوں پر بھاری ہے اس کی طرف نشاندہی فرمائی گئی جس میں اس بات کو واضح انداز میں بیان فرمایا کہ حج بیت اللہ کے سفر میں تم اپنا توشہ دان ساتھ رکھو یعنی کھانے پینے کیلئے اس کے اخراجات تمہارے ساتھ ہونے چاہئے ورنہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑے گا جسے اسلام پسند نہیں کرتا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک اصل توشہ دان کی طرف اللہ تبارک تعالیٰ حجاج کرام کو متوجہ فرماتا ہے جو ساری باتوں کا اصل ہے وہ یہ کہ
"سب سے بہتر توشہ تو پرہیز گاری ہے؟"
عرب کے اکثر لوگ خصوصاً اہل یمن کا دستور تھا کہ "جب حج کی نیت سے گھروں سے نکلتے تو سفر خرچ ساتھ نہ لاتے اور اس کو توکل کے خلاف سمجھتے اور راستہ میں لوگوں سے بھیک مانگا کرتے۔ مسلمانوں کو اس غیر انسانی طریقہ سے روک دیا گیا اور حکم دیا کہ زادِ راہ لے کر چلا کرو۔ کسی کی خدمت نہ کر سکو تو کم از کم دوسروں پر بوجھ تو نہ بنو۔"
ساتھ ہی فرما دیا:
"بہترین توشہ تقویٰ ہے جو سفر آخرت میں کام آتا ہے۔" (ضیاالقرآن)
حقیقت یہ ہے کہ تقوی کی بنیاد پر ہی انسان صراط مستقیم کی راہ پر گامزن رہتا ہے قرب خداوندی گناہوں سے بچ کر نکلنا بندگان خدا کا احترام اللہ کی فرمابرداری وغیرہ یہ صرف اور صرف تقوی والی زندگی سے ممکن ہے۔
اصل خوبی خدا کا خوف اور اس کے احکام کی خلاف ورزی سے اجتناب اور زندگی کا پاکیزہ ہونا ہے۔ جو مسافر اپنے اخلاق درست نہیں رکھتا اور خدا سے بے خوف ہو کر برے اعمال کرتا ہے، وہ اگر زادِ راہ ساتھ نہ لے کر محض ظاہر میں فقیری کی نمائش کرتا ہے، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ خدا اور خلق دونوں کی نگاہ میں وہ ذلیل ہوگا اور اپنے اس مذہبی کام کی بھی توہین کرے گا جس کیلئے وہ سفر کر رہا ہے لیکن اگر اس کے دل میں خدا کا خوف ہو اور اس کے اخلاق درست ہوں، تو خدا کے ہاں بھی اس کی عزت ہوگی اور خلق بھی اس کا احترام کرے گی، چاہے اس کا توشہ دان کھانے سے بھرا ہوا ہو۔ (تفہیم القرآن)
لہٰذا تمام حجاج کرام کو چاہئے کہ وہ جہاں پر سامان سفر باندھ رہے ہیں اس کے ساتھ ساتھ خدا کا خوف بھی اپنے ساتھ رکھیں جس کے ذریعہ سے ان شاء اللہ تبارک تعالیٰ حج کی برکات اور اس کے مقصد کے حصول میں کامیابی مل سکتی ہے، حج کی قبولیت کا دارومدار اس کے مناسک کو کتاب اللہ و سنت رسول ﷺ کے عین مطابق ادا کرنے میں ہے جس کا خاص طور پر خیال رکھنا چاہئے اور اللہ تبارک تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہنا چاہئے۔

☆☆☆



جنوبی ہند کی مشہور دینی درسگاہ جامعہ دار السلام عمر آباد، ٹملناڈو، کے لائق فرزند قابل استاذ طلبہ کے مشفق وغمگسار، حمیت دینی سے سرشار اردو کے مایہ ناز شاعر مولانا ابو البیان عبد الرحمٰن خان حماد رحمہ اللہ تقریباً ننانوے (99) برس کی عمر پا کر 29 جنوری 2023ء اتوار کی دوپہر بنگلور میں انتقال کر گئے۔

حدیث رسول ﷺ کے مطابق خیر الناس من طال عمره وحسن عمله (جامع ترمذی: 2329)

کہ بہترین آدمی وہ ہے جس کی عمر دراز ہو اور عمل عمدہ ہو۔ آپ نے کئی نسلوں کی آبیاری کی اور تقریباً ستر برس عمر آباد میں فرائض تدریس انجام دیتے رہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی بشریٰ لغزشوں کو معاف فرمائے، نیکیوں کو قبول فرما کر اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔

راقم مولانا کے ادنیٰ خوشہ چینوں میں سے ایک ہے جس کی تعلیم وتربیت میں استاذ گرامی کی پر خلوص کوشش اور سوز و گداز شامل ہے۔

جامعہ کی ہماری تعلیمی زندگی میں مولانائے محترم رحمہ اللہ کی ایک منفرد استاذ اور ہماری کلاس واحد جماعت تھی کہ پہلے سال ابتدائی جماعت سے آخری سال فضیلت سال دوم آٹھویں جماعت تک مسلسل نو سال مولانا نے ہمیں پڑھایا، غالباً یہ سعادت ہمارے علاوہ کسی دوسری جماعت کو میسر نہیں آئی۔

پہلے سال ابتدائی جماعت میں فارسی کی ابتدائی کتابیں وہ پڑھایا کرتے، اس وقت موصوف کے ذمہ جونیئر درجات کی کتابیں مقرر تھیں۔ آمدن، قصص النبیین، پنج گنج وغیرہ کے ساتھ حدیث کی کتاب منتقی جو چھٹی جماعت میں پڑھائی جاتی تھی، فضیلت کی کوئی کتاب موصوف کے ذمہ نہیں تھی، لیکن جب ہم فضیلت سال اول میں پہنچے، ابو داؤد کی تدریس آپ کو تفویض کی گئی، یوں ہماری پہلی جماعت تھی، جنہیں مولانا نے حدیث کی یہ کتاب پڑھائی اور جب آخری سال میں پہنچے وہاں ان کے ذمہ ایک ادبی کتاب تھی جوں جوں سینئر کلاس کی تدریس آپ کے ذمہ ہوتی گئی، ابتدائی مضامین کم ہوتے گئے۔ ہماری فراغت کے بعد آپ ابتدائی درجات کے بجائے اونچے درجات کو پڑھاتے رہے۔ یوں مسلسل 9 سال پڑھنے کا اعزاز صرف ہماری جماعت کو حاصل ہوا۔ ابتدائی جماعت سے آخری سال تک پڑھنے والے طلبہ میں خود مرحوم کے دوسرے فرزند سعید الرحمٰن خان ارشد بھی تھے، جو راقم کے بے تکلف ساتھی تھے۔ اس بیچ میں 22 طلبہ فارغ ہوئے جو کہ جامعہ کی بڑی بیچ شمار ہوتی تھی کیونکہ اس سے پہلے عموماً فارغ ہونے والوں کی تعداد پندرہ کے اندر اندر ہوتی، ان بائیس میں چار طلبہ وہ تھے جو ابتدائی جماعت سے آخری سال تک پہنچے۔ باقی کوئی ایک سال بعد اس قافلہ میں شامل ہوا۔ کوئی دو سال بعد، اور کثیر تعداد میں ابتدائی جماعت میں داخلہ لینے والوں میں سے کوئی ایک سال ہی چل سکا، کسی کے دو سال بعد قدم ڈگمگا گئے۔ یوں پرانے ساتھی بچھڑتے گئے اور نئے قافلہ میں شامل ہوتے گئے اور کارواں آگے بڑھتا گیا۔

مولانا کے درس وتدریس کا اسلوب بہت ہی مشفقانہ ہوا کرتا، آپ کی کوشش ہوتی کہ

طالب علم کے ذہن میں اپنی بات بٹھا دیں، ہر تھوڑی دیر بعد فرماتے "سمجھ میں آیا۔"

پھر آگے گفتگو کرتے، ادبی کتب کی تدریس میں پہلے عبارت پڑھتے مشکل الفاظ کے معانی بتاتے پھر روانی کے ساتھ عبارت پڑھتے، اگر اشعار ہوتے تو مکمل ترنم کے ساتھ پڑھا کرتے، اس سے کلاس میں ایک سماں بندھ جاتا، حدیث کی کتاب پڑھاتے ہوئے اداب واحترام کا خاص خیال رکھا جاتا، کتاب الحج وغیرہ کی تفصیلات کچھ یوں بیان کرتے کہ ہم عمر آباد میں رہتے ہوئے بھی حرمین شریفین تصوراتی طور پر پہنچ جایا کرتے، ہماری فراغت تک مولانا نے حجاز کا سفر نہیں کیا تھا، بعد میں کئی مواقع میسر آئے، خود آپ کے فرزند، دختر اور شاگردوں کی ایک بڑی تعداد سعودی عرب کے مختلف شہروں میں آباد ہو چکی تھی، مختلف مناسبتوں سے استاذ گرامی وہاں تشریف لے جاتے رہے، لیکن دوران تدریس نقشہ کچھ ایسے کھینچتے کہ طلبہ میں روحانی بیداری پیدا ہو جاتی اور ہم خود کو حرمین میں محسوس کرنے لگتے، کلاس میں غصہ اور ناراضگی کا معاملہ برائے نام ہی ہوتا وہ بھی ابتدائی درجات میں بار بار سمجھانے کے باوجود کوئی کاہلی کرتا تب ورنہ مجموعی طور پر کسی بات پر ناراضگی کا اظہار کرتے۔ تو عموماً طلبہ یہ آیت گنگنانے لگتے والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس پھر استاذ محترم زیر لب مسکرا دیا کرتے۔ یوں ناراضگی کو طلبہ ہوشیاری سے ختم کر

دیتے۔

اگر طالب علم کو کسی حدیث پر عمل کرتا دیکھتے تو اس کی حوصلہ افزائی کرتے، اپنے کمرہ میں بلا کر چائے پلایا کرتے، اس وقت طالب علم کی حوصلہ افزائی کا یہ بڑا مؤثر ذریعہ ہوتا کہ استاذ خود طالب علم کو چائے پیش کرے، صوم عرفہ، عاشورا وغیرہ وغیرہ مختلف مناسبتوں پر سنت کا اہتمام نہ صرف خود کرتے بلکہ شاگردوں کو بھی ترغیب دیا کرتے۔

استاذ محترم کے علمی، ادبی اور سماجی مختلف لوگوں کے ساتھ تعلقات کا دائرہ وسیع تھا، ان کے ساتھ رابطہ رکھنے کا مؤثر ذریعہ اس وقت خط وکتابت تھا، کلاس کے بعد تقریباً پون گھنٹہ اس کام کے لیے مختص ہوتا، کلاس ختم ہوتے ہی ایک طالب علم کو آواز دیتے، دوپہر کے کھانے کا وقت ہونے تک اس کے ساتھ خطوط املا کرواتے، عرصہ تک راقم کو بھی یہ سعادت میسر آئی، جیسے ہی کلاس ختم ہوتی، آپ آواز دیتے، میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور مقررہ وقت میں جتنے خطوط لکھوا سکتے، املا کروا دیا کرتے۔ پھر میں کھانے کے لیے مطبخ کا رخ کرتا اور وہ گھر تشریف لے جاتے، ظہر سے قبل کھانے سے فارغ ہو کر ظہر کے لیے پہنچنا ہوتا۔ نماز ظہر کے بعد دوپہر کی کلاسیں شروع ہو جاتیں، عمر آباد میں طلبہ اور خصوصاً اساتذہ کے اوقات بڑے لگے بندھے ہوا کرتے۔

خلاف سنت کسی بات کو برداشت نہیں کرتے تھے، ایک مرتبہ آپ کے ہی آبائی گاؤں رحیم آباد ضلع مالور میں واقع، مدرسہ دار التوحید کا سالانہ جلسہ ہو رہا تھا، اس کے روح رواں آپ کے ہی ہم نام آپ کے شاگرد مولانا عبد الرحمٰن خان عمری تھے، علماء کرام، معززین علاقہ اور عوام کی قابل قدر حاضری تھی، اسٹیج پر راقم کے علاوہ مختلف شخصیات جلوہ افروز تھی، طلبہ کا تقریری اور علمی مظاہرہ جاری تھا کہ ایک طالب علم نے نظم پڑھی، ایک شعر شان رسالت ﷺ کے حوالہ سے غلو پر مبنی تھا، ابھی طالب علم پڑھا ہی تھا کہ دوہرانے کا موقع ہی نہیں دیا، اسٹیج پر ہی اسے سختی کے ساتھ ٹوک دیا اور مدرسہ کے اساتذہ کو متنبہ کیا کہ طلبہ کو منظوم کلام دیتے ہوئے خود پڑھ لیا کریں، کہیں کوئی بات خلاف شریعت تو نہیں، کچھ دیر کے لیے اس تلخی پر ناگواری محسوس کی گئی لیکن مولانائے محترم لایخافون في الله لومة لائم کا نمونہ بنے رہے، پھر نگران استاذ کو اس فروگذاشت پر معذرت کرنی پڑی، کہ عموماً اس طرح کی مناسبتوں اور تقاریب کے لیے ترنم اور حسن ادائیگی پر زیادہ توجہ دی جاتی ہے، اشعار کی معنوی حیثیت پر توجہ نہیں دی جاتی جبکہ مفہوم اور مطالب کی اہمیت کہیں زیادہ ہوتی ہے، آئندہ اس کا خیال رکھا جائے گا۔ ان شاء اللہ

اس واقعہ سے استاذ گرامی کی دینی حمیت اور سنت سے عقیدت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، حالانکہ اسٹیج پر آپ ایک مہمان کی حیثیت سے مدعو تھے۔

طلبہ میں تقریر وتحریر کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے جامعہ میں تین انجمنیں تھیں، اصلاح الاخلاق ابتدائی سے تیسری جماعت تک کے طلبہ کے لیے دائرۃ الادب چوتھی سے سال آخر تک کے طلبہ کے لیے ربیع الادب اردو کے علاوہ دیگر زبانوں کے لیے لیکن حقیقت میں یہ ملیالم زبان کے لیے ہی مختص ہو گئی تھی، کیرالہ کے طلبہ کی تعداد زیادہ ہوتی تھی، وہی اس کو چلایا کرتے، ان سب کے نگران مولانائے محترم تھے، انجمنوں کے سالانہ اجلاس طلبہ جوش وخروش کے ساتھ منایا کرتے، اس کے لیے ظاہری اور معنوی ہر طرح کی تیاری کی جاتی، ہفتہ واری انجمن کے اجلاس میں فرشی نشست ہوا کرتی لیکن سالانہ اجلاس کے لیے باقاعدہ کرسیوں کا اہتمام ہوتا۔ عموماً یہ کرسیاں پڑوس کے سرکاری اسکول سے مستعار لی جاتیں، طلبہ کا ایک وفد جا کر اسکول کے صدر مدرس سے بات کرتا کہ کرسیاں کب لے جائیں گے اور کب واپس پہنچائیں گے وغیرہ۔ اس سے جامعہ کی طرز زندگی اور سادگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، فرشی نشستوں پر ہی طلبہ، اساتذہ سب بیٹھا کرتے، حتیٰ کہ ناظم جامعہ کے دفتر میں بھی فرشی نشست ہی ہوا کرتی، وہیں منتظمین جامعہ، ارکان شوریٰ اور ذمہ دار تشریف فرما ہو کر انقلابی منصوبے اور تاریخ ساز فیصلے کیا کرتے۔

انجمنوں کے سالانہ اجلاس کی صدارت کے لیے عموماً قرب وجوار کی کسی معروف شخصیت کو مدعو کیا جاتا، ہمارے آخری سال یعنی 1977 کے سالانہ جلسہ کی صدارت کے لیے حیدر آباد کی مشہور سیاسی شخصیت سلطان صلاح الدین اویسی صاحب کو مدعو کیا گیا، یہ دونوں کے لیے نیا تجربہ تھا، محترم اویسی صاحب کا آندھرا کے باہر یہ پہلا باقاعدہ بڑا پروگرام تھا، اس وقت وہ ایم ایل اے تھے، پارلیمنٹ کے لیے پر تول رہے تھے اور انجمن کے لیے بھی نیا تجربہ میدان سیاست کی سرگرم شخصیت کو مدعو کیا جا رہا تھا، ان سے رابطہ کرنے اور سفر کو حتمی شکل دینے کی ذمہ داری استاذ محترم کے مشورہ سے محترم عمران اعظمی رحمۃ اللہ علیہ انجام دے رہے تھے۔ وقت مقررہ پر جب اویسی صاحب عمر آباد پہنچے ان کا قیام وطعام عمر ہاؤس میں تھا، استاذ محترم نے ہم انجمن کے عہدیدار طلبہ کو ہدایت کی کہ آپ لوگ جا کر مہمان محترم سے ملاقات کر کے انجمن کا تعارف کروایئے، چنانچہ ہم حسبِ حکم پہنچے محترم اویسی صاحب نے طلبہ سے تعارف کے بعد جب انہیں معلوم ہوا کہ میں بھی حیدر آباد سے ہوں، انہوں نے ہمارے محلہ اور والد صاحب وغیرہ کے متعلق بہت ساری تفصیلات دریافت کی گویا دیار

عمر آباد میں کوئی انسیت نکل آئی ویسے بھی ہمارا محلہ ان کی پارٹی اتحاد المسلمین کا گڑھ ہی سمجھا جاتا ہے، انہوں نے محلہ کے نام پر اکتفاء نہیں کیا بلکہ ہماری گلی تک پہنچنا چاہتے تھے، مجھے تعجب ہو رہا تھا کہ وہ محلہ کی گلیوں اور مکینوں سے بھی بڑی حد تک واقف، نماز عشاء کے بعد انجمن کی کاروائی شروع ہوئی۔ یہ کاروائی ہال کے بجائے اضافی مہمانوں کی متوقع آمد کے پیش نظر کھلے صحن میں ہو رہی تھی۔ صدر اجلاس نے علاقہ میں کاکا خاندان اور خصوصاً بانی جامعہ کاکا محمد عمر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق عقیدت کے پھول نچھاور کرتے ہوئے اپنے مخصوص گھن گرج کے ساتھ خطاب فرمایا۔ حسب روایت خطاب کرنے والے طلبہ کو جامعہ کی جانب سے انعامات دیئے گئے، انعام پانے والوں کے ناموں کی فہرست استاذ محترم کے ہاتھ میں تھی، وہی اعلان کر رہے تھے، حسن اتفاق کہ میرا نام کہیں دب گیا، مولانا کی نظر نہیں پڑی، میں اس وقت انجمن کا نائب صدر تھا، جب پروگرام اختتام کو پہنچ رہا تھا، طلبہ اور ساتھی بھی اس فروگذاشت پر حیرت کا اظہار کر رہے تھے اور بعض ازراہ تفنن کہہ رہے تھے کہ چونکہ مہمان آپ کے ہی علاقہ کے ہیں، شاید آپ کو کسی اور سے انعام دلوانے کے لیے یہاں آپ کا نام نہیں بلایا گیا ہے۔ جب میں نے مولانا کی توجہ دلائی وہ پریشان سے ہو گئے لیکن اب اجلاس ختم ہو رہا تھا اور وجہ بھی سمجھ میں نہیں آئی کہ انعام پانے والے مقررین کی لسٹ سے میرا نام کیسے چھوٹ گیا، بعد میں مولانا نے تسلی دی کہ یہ غلطی شاید منصفین سے ہو گئی کہ ناموں کے درمیان کانٹ چھانٹ کی وجہ سے آپ کا نام میں دیکھ نہیں سکا، لہٰذا آپ جو کتاب چاہیں وہ آپ کو بطور انعام دی جائے گی، استاذ گرامی کا اتنا کہنا ہی کافی تھا لیکن بار بار معذرت کر رہے تھے اور میں شرمندہ ہو رہا تھا بلکہ احساس ہو رہا تھا کہ مجھے اس بارہ میں دریافت ہی نہیں کرنا چاہیئے تھا، اس سے قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ استاذ گرامی کی طبیعت میں تواضع اور انکساری کا عنصر کس درجہ تھا، وہ اپنے شاگردوں کی دلجوئی کیسے کیا کرتے، پھر حسب وعدہ مجھے کچھ کتابیں دی گئیں۔

مولانا کی دین پسندی، مزاج کی سادگی اور مختلف جماعتوں کے ساتھ تعلقات اور رواداری کچھ ایسی تھی کہ ہر حق پسند جماعت کے لوگ انہیں اپنا ہی رکن سمجھتے، موصوف مختلف مناسبتوں سے مشہور جماعتوں کے پروگراموں میں شرکت فرمایا کرتے۔

عمر آباد سے متصل قریہ گڑھ آمبور ہے، وہاں ایک ہی مسجد ہے جس میں عموماً جامعہ کے سینئر طلبہ امامت وخطابت کے فرائض انجام دیا کرتے، شاید اب بھی یہی سلسلہ ہے، امام کے ساتھ کچھ اور طلبہ بھی ٹہلنے کی غرض سے ساتھ ہو جایا کرتے، ایک مرتبہ تبلیغی جماعت کی وہاں آمد ہوئی، وہ اپنے طریقہ کے مطابق علاقہ میں گشت کر کے مسجد کے اجتماع میں شرکت کی ، مقامی لوگوں کو دعوت دیتے رہے، اجتماع میں علاقہ کے کچھ لوگ حاضر ہوئے، میں نے دیکھا کہ ان میں مولانا محترم بھی تشریف لے آئے تھے، لیکن بالکل عام آدمی کی حیثیت سے پیچھے بیٹھے خطاب سنتے رہے، پھر حسب دستور جماعت کے ذمہ دار نے لوگوں کو تبلیغی دورہ پر نکلنے کی ترغیب دی اور نام لکھوانے کی درخواست کی کہ دین سیکھنے اور تربیت پانے کے لیے گھر بار اہل وعیال سے چند دن کے لیے دوری ضروری ہے وغیرہ۔ جب خواہشمندوں کے نام لکھنے والا مولانا کے قریب پہنچا تو مولانا اپنے مخصوص انداز سے مسکرا رہے تھے۔، ہم نے تبلیغی کارکن کا اصرار اور مولانا کی سادگی دیکھی تو آگے بڑھ کر مداخلت کرتے ہوئے مولانا کا تعارف کروایا، اس پر اس نے علاقہ کے مخصوص لب ولہجہ میں شرمندگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنی اس جرات پر معذرت کی۔

بظاہر ایک چھوٹا سا واقعہ ہے لیکن اس کے ذریعہ مولانا کے مزاج کی سادگی اور ذہنی وسعت کو سمجھا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی تدریسی مصروفیات اور علمی مقام کے باوجود خیر کے کاموں میں کیسے شریک ہوا کرتے، ورنہ سچ تو یہ ہے کہ ایسے پروگراموں میں ان کے شاگرد بھی شرکت کرنے کو کسر شان سمجھتے۔

جماعت اہل حدیث جنوبی ہند کی جانب سے ایک اہم کانفرنس بنگلور سے متصل ہسور 28، 29 دسمبر 1991ء میں مولانا مختار احمد ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی صدارت میں منعقد ہوئی، علماء اور عوام کی حاضری اور تیاری کے اعتبار سے یہ نہایت ہی کامیاب کانفرنس تھی، اس میں شرکت کرنے والے معزز علماء کرام کی فہرست میں حضرت مولانا نمایاں تھے، معززین کے ساتھ وہ اسٹیج پر بیٹھے، مقررین کے خطابات سنتے رہے، علاقہ بھر میں اس کے مثبت اثرات دیکھے گئے بلکہ اس سال منعقد ہونے والی کل ہند مرکزی کانفرنس کے مقابلہ میں ہسور کی کانفرنس کو زیادہ کامیاب اور پسند کیا گیا۔ اس کامیابی میں منتظمین اور علاقہ کے لوگوں کے ساتھ ساتھ جامعہ دار السلام اور جامعہ محمدیہ رائیدرگ کے طلبہ اور بعض اساتذہ کی مساعی جمیلہ بھی شامل تھیں۔

ہمارے دور طالب علمی میں کبھی کبھار قرب وجوار کی مساجد میں خطبات جمعہ کے لیے طلبہ جایا کرتے، بعد میں الحمد للہ یہ سلسلہ ایک نظم کے تحت قائم ہوا، اور اب قابل قدر تعداد میں طلبہ جمعہ کے دن مختلف مساجد کا رخ کرتے ہیں۔

ایک جمعہ عمر آباد سے قدرے دور ولتنا کیم ہمیں جانا تھا، وہاں دو مسجدیں تھیں ایک چھوٹی مسجد جس میں مجھے خطبہ دینا تھا اور دوسری بڑی مسجد جس میں استاذ

محترم کا خطبہ تھا، اس وقت وہاں جانے کے لیے رات ہی سے پروگرام مرتب کرنا ہوتا کیونکہ آمد ورفت کے ذرائع محدود تھے، عموماً بس کا یہ سفر ہوتا اور بعض اوقات سائیکل سے بھی مسافت طے کی جاتی، مولانا کے ساتھ ہم بذریعہ بس پہنچے اپنی اپنی مسجد میں خطاب کے بعد ظہرانہ کے لیے ایک ہی جگہ مدعو تھے اور پھر دو بسیں بدلتے ہوئے عمر آباد واپس ہوئے، اس سے مولانا کی سادگی اور دینی حمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، ورنہ یومیہ تھکا دینے والی مصروفیات سے ہفتہ میں ایک دن جو فرصت کا میسر آتا اسے بھی اسی راہ میں لگا دینا آسان نہیں۔

فراغت کے بعد بھی مولانا کے ساتھ خط وکتابت کا سلسلہ جاری رہا، مختلف طریقوں سے اپنے شاگردوں کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی فرماتے۔

دنیا کے مختلف علاقوں میں پھیلے آپ کے شاگرد آپ کے لیے صدقہ جاریہ ثابت ہوں گے۔ ان شاءاللہ

دنیوی اعتبار سے آپ کا ان معدودے چند لوگوں میں شمار ہوتا ہے جن کی زندگی ہی میں ان کی شخصیت پر ان کی علمی اور ادبی خدمات پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی گئی، اردو شاعری میں آپ کا اونچا مقام تھا۔ ورنہ عموماً مشہور لوگوں کے مرنے کے بعد ان پر پی ایچ ڈی کی جاتی ہے۔ جیسے مشہور زمانہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اپنی بھتیجی کے حیدر آباد سے روانہ کردہ مکتوب کے جواب میں جو ان پر مقالہ لکھنا چاہتی تھیں، پی ایچ ڈی کے لیے فرانس سے لکھا کہ ابھی آپ کے چچا زندہ ہیں، عموماً ڈاکٹریٹ کسی شخص پر مرنے کے بعد کی جاتی ہے۔

فرزانوں میں ہے وہ دیوانہ
دیوانوں میں ہے وہ فرزانہ
حماد سا کوئی اور نہیں کہنے کو
دیوانے اور بھی ہیں

اللّٰھُمَّ اغفرلہ وارحمہ

مجلہ صراط مستقیم کے لیے استاذ محترم کا قلمی تعاون بہت قدیم اور مسلسل رہا ہے، مولانا کا منظوم کلام مجلہ کی زینت بڑھاتا رہا۔ آپ کی فارسی زبان میں کہی گئی نعت بھی پہلے اسی مجلہ میں شائع ہوئی۔ مجلہ کے مدیر مسؤل، جمعیت اہل حدیث برطانیہ کے ناظم اعلیٰ، مسلم کیمونٹی کے سرگرم رہنما مولانا محمود احمد میرپوری رحمہ اللہ کے انتقال کا ایک ٹریفک حادثہ میں اکتوبر 1988ء کو دلخراش سانحہ پیش آیا۔ اس ناگہانی حادثہ پر عرب ممالک اور ہندوپاک کے معززین اور مشائخ کے متعدد تعزیتی پیغامات ادارہ کو موصول ہوئے، ان میں استاذ محترم کا تعزیتی پیغام بھی تھا جس کا ایک جملہ مجھے ابھی تک یاد ہے۔ آپ نے لکھا تھا: ”خوش درخشید ولے شعلہ مستعجل بود“ مولانا محمود رحمہ اللہ کی شخصیت کی مختصر الفاظ میں عکاسی اس مصرعہ سے پوری طرح ہو رہی تھی، کیونکہ مولانا میرپوری مدینہ منورہ یونیورسٹی سے فراغت کے بعد برطانیہ تشریف لے آئے اور تقریباً بارہ سال کے قلیل عرصہ میں اپنی سیمابی شخصیت سے یوکے بھر میں ہلچل مچا دی، مختلف شہروں میں مساجد اور مدارس سلفیہ کا جال بچھا دیا۔ مسلم سماج کی مختلف اور منتشر اکائیوں کو جوڑنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔

اردو، انگریزی ماہنامہ صراط مستقیم کی سرپرستی کی، مجلہ اردو زبان میں برطانیہ سے شائع ہونے والا واحد پرچہ ہے جو طویل عرصہ سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔

جامعہ دار السلام عمر آباد کے معتمد عمومی محترم کاکا محمد عمر رحمہ اللہ اور نائب معتمد محترم کاکا سعید احمد حفظہ اللہ اپنے دورہ برطانیہ میں مولانا میرپوری کی شخصیت سے بہت متاثر ہوئے، محترم کاکا عمر ایسی ہی شخصیتوں کو پسند فرماتے تھے جو اپنا نظریہ رکھتے ہوئے دیگر افراد اور تنظیموں کے ساتھ بھی روابط استوار کریں۔

استاذ محترم کی مسجد اقصیٰ پر لکھی گئی نظم ایک خصوصی مضمون کے ساتھ شائع ہوئی تو قارئین کے وسیع حلقہ نے اس کو زبردست پذیرائی بخشی، مولانا اپنے شاگردوں کی نگارشات پر کھلے دل سے داد دیا کرتے اور ان کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

شہر حیدر آباد دکن کے ساتھ مولانا کے دیرینہ تعلقات تھے۔ آپ کے بہت سے شاگرد یہاں رہتے ہیں، آپ جب یہاں تشریف لاتے تو جامع مسجد اہل حدیث فتح دروازہ بھی آیا کرتے۔ والد محترم اور چچا مولوی محمد سرور رحمہ اللہ ان کے بہت معتقد تھے، خاندان کے کئی افراد کے وہ استاذ اور مربی تھے۔ ایک مرتبہ میری موجودگی میں آپ کی آمد ہوئی، مدرسہ سمیہ للبنات کی وزٹ تھی۔ یہ اسی مسجد انتظامیہ کی زیر نگرانی چلنے والی درسگاہ ہے، اس میں شعبۂ حفظ سے عالمیت تک کی تعلیم دی جاتی ہے، اساتذہ کی فہرست میں آپ کے شاگرد عمری نمایاں ہیں۔ یہاں طالبات کی تعلیمی سرگرمیوں کا جائزہ لینے اور انہیں پند ونصائح سے نوازنے کے بعد کچھ دیر کے لیے آفس میں بیٹھے، مہمانوں کے لیے موسم کے مطابق ٹھنڈے مشروبات پیش کیے گئے۔ میں استاذ محترم کے ساتھ بیٹھا تھا، ہمیں سوڈا ملا ہوا لیمن جوس دیا گیا، میں عموماً ایسے مشروبات نہیں پیتا، استاذ کے احترام میں بوتل تو ہاتھ میں لے لیا، لیکن میری کیفیت کچھ ایسی تھی کہ نہ اگلے بنتی نہ نگلے بنتی۔ بوتل نوش کیے بغیر رکھ دوں تو استاد کی نظروں کی تاب نہیں اور پینا چاہوں تو حلق برداشت نہیں کرے گا۔ کچھ دیر تو اسی پیچ وتاب میں رہا، پھر موقع پاتے ہی ہمارے بھتیجے حافظ ابراہیم سیکرٹری مدرسہ کے ہاتھ میں تھما دیا کہ آپ پی لیجئے، استاذ گرامی یہ دیکھ رہے تھے۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ

کہیں میں نے ہی وضاحت کر دی کہ میں فزی ڈرنک نہیں پیتا ورنہ خدشہ تھا کہ مشفقانہ ڈانٹ پلاتے یا مجھے پینے کا حکم دیتے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہمارے درمیان بے تکلفی کے باوجود استاذ اور شاگرد کا احترام اور اداب کا کسی حد تک خیال رکھا جاتا۔

مدرسہ سمیہ کے پروگرام سے فارغ ہو کر ایک دوسرے پروگرام کے لیے جاتے ہوئے میں نے گاڑی حیدر آباد کے مشہور شیروانی ٹیلر کی دوکان کے سامنے رکوا دی، جب گاڑی رک گئی تو با ادب مولانا سے کہا کہ آپ کچھ دیر کے لیے اتر جائیے، مولانا اس کے پس منظر سے تو اس وقت واقف نہیں تھے، دریافت کیا کہ یہاں کیا کرنا ہے یعنی تقریر یا دوکان کا افتتاح یا کیا؟ میں نے کہا کہ کچھ نہیں صرف ٹیلر سے ملاقات کرنی ہے؟

یہ دین پسند درزی ہے اور مختلف نامی گرامی علماء سے ان کے روابط ہیں۔ اکثر علماء یہاں تشریف لاتے ہیں، مولانا میرے اصرار پر اتر گئے جب پروگرام کے مطابق درزی نے ناپ لینا شروع کیا تو میری طرف گھومتے ہوئے استفسار کیا، میں نے جواب دیا کہ یہ حیدرآبادی تحفہ ہے، مولانا نے فرمایا کہ میرے پاس شیروانی ہے اس کی ضرورت نہیں لیکن جب تک درزی اپنا کام کر چکا تھا ناپ لیتے ہوئے اس نے کچھ مشہور علماء کے نام گنوا دیئے کہ میں نے ان کے لیے بھی شیروانیاں سی ہیں، میری فہرست میں ایک خوشگوار اضافہ ہو گا، مولانا اس کی حاضر جوابی سے محظوظ ہوئے اور یوں میری خواہش پوری ہو گئی ورنہ خطرہ تھا کہ شیروانی کی خواہش ادھوری رہ جاتی۔

حیدر آباد ہی میں ایک اور مشہور دینی درسگاہ جامعہ دار الفرقان ہے، اس کے بانی جناب قطب الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مولانا کے بہت عقیدتمند تھے، اپنے ادارہ کی ترقی کے لیے مولانا سے اکثر مشورہ کیا کرتے، یہاں طالبات کی معقول تعداد ہے، درس نظامی کے ساتھ ساتھ عثمانیہ یونیورسٹی سے بھی مختلف امتحانات دلوائے جاتے ہیں۔ اس جامعہ میں دینی اور عصری تعلیم کا مناسب امتزاج ہے، جامعہ کے ایک سالانہ اجلاس میں مجھے مدعو کیا گیا تھا، ان ہی دنوں استاذ محترم بھی تشریف لے آئے ہوئے تھے، جلسہ گاہ جب ہم پہنچے تو میں نے ذمہ داران سے کہہ دیا کہ آپ آمد تمیم برخاست، خطاب مولانا کا ہو گا اور تقسیم انعامات بھی ان کے ہی دست مبارک سے ہوں گے، لیکن منتظمین اس کو کہاں مانتے، مولانا کے ساتھ مجھے خطاب اور تقسیم انعامات میں شامل رکھا گیا۔ البتہ اسٹیج سیکرٹری نے تعارف میں اتنا اضافہ کیا کہ یہ استاذ اور شاگرد ہیں یہی نہیں بلکہ محترم عمران اعظمی رحمۃ اللہ علیہ جن کی دختر بھی اس سال سند فراغت لے رہی تھیں، کہا گیا کہ اعظمی صاحب بھی مولانا کے ہی شاگرد ہیں، اس وقت اعظمی صاحب کا طوطی بول رہا تھا، خصوصاً ترجمہ کے شعبہ میں ان کا سکہ چلتا تھا، امتیازی نمبرز سے کامیابی پانے والی لڑکیوں کو جس دستور انعامات سے نوازا گیا لیکن لڑکیوں کو اسٹیج کے بجائے پردہ کے پیچھے سے انعامات پکڑا دیئے جاتے، مولانا انعام دیتے ہوئے دریافت کرتے کہ مضبوطی سے تھام لیا یا نہیں۔ ادھر سے جواب ملنے تک انعامات کا پیکٹ نہیں چھوڑتے، اس پس چادر ہونے والی گفتگو سے لوگ بھی محظوظ ہوتے رہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کا آپ کا اپنا ایک اسلوب تھا، جذب و کیف میں ڈوب کر گویا تلاوت کرتے، سورۃ لقمان کی تلاوت کے موقع پر کیفیت کچھ زیاہ یہی جذباتی ہو جاتی، جب بھی وقت ملتا تلاوت میں مصروف ہو جاتے۔ بھائی مولانا محمد عبد اللہ مدنی کی دو صاحبزادیوں کی شادی کے موقع پر دوست احباب اور علماء مدراس کی مسجد اہل حدیث چار مینار میں جمع تھے ایسے موقعوں پر عموماً گپ شپ زیادہ ہوتی ہے، میں نے دیکھا کہ

استاذ محترم ضروری ملاقات کے بعد مسجد کے ایک زاویہ میں بیٹھے تلاوت میں مصروف ہیں، وقت مقررہ تک آپ تلاوت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ حسنات قبول کرے، اجر عظیم سے نوازے۔ آمین

☆☆☆



سوالات کے جوابات

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن)

گندگی کتنے پانی سے صاف ہو سکتی ہے؟

سوال: سویڈن سے ایک صاحب سوال کرتے ہیں کہ مجھے اس مسئلہ میں الجھاؤ ہے اور وہ یہ کہ اگر فرش پر پیشاب ہو تو ہم ایک بالٹی پانی بہا کر اسے صاف کر سکتے ہیں لیکن اگر پانی کے اندر گندگی گر جائے اور پانی دوقُلہ سے کم ہو تو وہ سارا پانی ناپاک ہو جاتا ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ فرش پر موجود گندگی دوقُلہ پانی سے کم مقدار (یعنی ایک بالٹی بھر پانی) سے کیسے صاف ہو سکتی ہے کیونکہ دوقُلہ سے کم پانی گندگی کے ساتھ مل کر بھی ناپاک رہے گا؟

جواب: اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے پہلے ہم چند احادیث ذکر کرتے ہیں۔

1۔ سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ آیا ہم بئر بضاعہ سے وضو کر سکتے ہیں کہ جس میں ہر طرح کی گندگی جیسے حیض سے لتھڑے کپڑے، مردہ کتے وغیرہ ڈال دیئے جاتے ہیں۔

نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: "پانی پاک کر دیتا ہے اور اسے کوئی چیز نجس نہیں کرتی۔" (سنن ابو داود، جامع ترمذی اور امام احمد نے روایت کی)

سنن بیہقی میں اسی حدیث میں اتنے الفاظ اضافی بھی ہیں: پانی پاک کرتا ہے، الا یہ کہ گندگی کی وجہ سے اس کی بُو، اس کا رنگ یا اس کا ذائقہ تبدیل ہو جائے۔" (محدثین کے نزدیک یہ اضافی الفاظ ضعیف ہیں۔)

2۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ سے ایسے تالاب کے بارے میں پوچھا گیا کہ جس میں سے جنگلی جانور اکثر پانی پیتے رہتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے جواب دیا: اگر پانی دوقُلہ مقدار کو پہنچ جائے تو پھر وہ گندگی سے متاثر نہیں ہوتا۔ (بروایت سنن اربعہ اور امام احمد)

دوقُلہ، پانچ سو رطل عراقی (جو کہ 227 کیلو گرام کے مساوی ہے۔)

3۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: " اگر کتا تمہارے کسی برتن میں منہ ڈال دے تو اسے سات یا آٹھ دفعہ دھونا چاہیئے، اس میں ایک دفعہ مٹی سے (یعنی شروع میں اچھی طرح برتن کے اندر مٹی کو ملا جائے اور پھر سات دفعہ اسے پانی سے دھویا جائے)

ان احادیث سے یہ باتیں معلوم ہوئیں:

1۔ پانی آلہ تطہیر ہے (یعنی پانی گندگی کو صاف کرتا ہے)

2۔ اگر کسے چھوٹے برتن میں پانی ہو اور اس میں ذرا سی بھی گندگی پڑ جائے تو وہ سارا پانی پھینک دینا چاہیئے۔

3۔ اگر پانی زیادہ ہو جیسے ٹینکی میں یا تالاب میں ہو اور اس میں گندگی گر جائے تو دیکھا جائے گا کہ اس کا رنگ، ذائقہ یا بُو تو نہیں بدلا، اور اگر ان تینوں اوصاف میں سے ایک وصف بھی بدل گیا تو وہ پانی نجس متصور ہو گا۔

4۔ پانی اگر دو قُلہ سے زائد ہو تو زیادہ تفتیش کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ اگر مذکورہ تین اوصاف میں سے کوئی ایک وصف پایا گیا تو پھر ایسے پانی سے اجتناب کرے۔

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حمام کے پانی سے غسل کیا اور پھر جمعہ کی نماز کی امامت کرائی۔ نماز کے بعد لوگ بھی جا چکے تھے کہ انہیں بتایا گیا کہ جس کنویں سے حمام کا پانی آ رہا تھا اس میں ایک مردہ چوہا پایا گیا ہے تو انہوں نے کہا: کوئی بات نہیں، آج ہم اپنے مدینہ کے بھائیوں کے قول پر عمل کر لیتے ہیں کہ اگر پانی دوقُلہ مقدار کا ہو تو اس پر گندگی کا اثر نہیں ہوتا۔

البتہ اگر پانی دوقُلہ سے کم ہو تو اسے دیکھ لینا چاہیئے کہ آیا اس کی بُو، رنگ یا ذائقہ گندگی کی وجہ سے بدلا ہوا تو نہیں ہے تاکہ اگر ایسا ہو تو پھر اس پانی سے طہارت حاصل نہ کی جائے۔

واضح ہو کہ البیہقی کا اضافہ گو ضعیف ہونے کی بنا پر قابل حجت نہیں ہے لیکن ان تینوں اوصاف کے بارے میں علماء کا اجماع ہو چکا ہے، اس لیے اجماع کی بنا پر یہ اضافہ قابل حجت بن جاتا ہے۔

ایک شکل یہ بھی ہے کہ آیا گندگی پر پانی ڈال کر اسے زائل کیا گیا ہے یا پانی میں گندگی ڈالی گئی ہے جس کا پاک کرنا مقصود ہے؟

یہاں ہمیں اس واقعے سے اس سوال کا جواب مل جاتا ہے جو مسجد نبوی میں پیش آیا، اللہ کے رسول ﷺ مسجد میں موجود تھے جبکہ ایک بدوی مسجد کے صحن میں پیشاب کرنے لگا، صحابہ نے اسے روکنا چاہا تو نبی کریم ﷺ نے انہیں منع کیا۔ جب وہ پیشاب کر چکا تو اللہ کے رسول ﷺ نے بڑی شفقت سے اسے سمجھایا کہ مساجد نمازوں اور اللہ کے ذکر کے لیے بنائی گئی ہیں نہ کہ انہیں ناپاک کرنے کے لیے اور پھر صحابہ سے کہا کہ مسجد کے فرش پر پانی بہا دو تاکہ نجاست

زائل ہو جائے۔ یہاں اتنا پانی درکار ہو گا کہ جس سے نجاست بالکل باقی نہ رہے، لیکن اگر پانی میں کوئی گندگی گر گئی اور اس کا نکالنا ممکن ہو تو پہلے اس غلاظت کو نکالا جائے گا اور اگر غلاظت پانی میں تحلیل ہو چکی ہو تو پھر اتنا پانی تو نکالا جائے کہ جس سے پانی کے یہ تینوں اوصاف اپنی اصلی حالت میں آ جائیں، یعنی بُو باقی نہ رہے، اگر رنگ بدلا تھا تو وہ صاف ہو جائے اور اگر ذائقہ بدلا تھا تو وہ بھی درست ہو جائے۔

اس مسلم قصائی کا ذبیحہ جو نمازی نہ ہو

سوال: سویڈن سے ایک بنگلہ دیش نوجوان سوال کرتے ہیں کہ ہم اپنے ملک میں جب کسی قصائی کی دکان پر جاتے ہیں تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آیا وہ نماز بھی پڑھتا ہے یا نہیں؟ تو کیا میں اس سے پوچھوں یا بغیر پوچھے گوشت خرید سکتا ہوں؟

جواب: حلال ذبیحہ کے لیے ایک تو ذبح کرنے والے کا مسلمان ہونا یا اہل کتاب میں سے ہونا ہے۔ اس کا بسم اللہ پڑھ کر حلال کرنا آپ کے اطمینان کے لیے کافی ہے، ایک مسلمان ملک میں تو اسے بارے میں کوئی شبہ ہی نہیں ہونا چاہیے، کیونکہ وہاں کی اکثر آبادی مسلمان ہے۔ یہ جاننا کہ وہ نماز پڑھتا ہے یا نہیں؟ اس کے کریدنے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے۔

خواتین کے ماڈرن شوخ لباس کا حکم

سوال: آکسفورڈ سے ایک خاتون نے سوال کیا ہے کہ کیا ایک مسلمان خاتون کے لیے ایسا لباس پہننا جائز ہے جس پر نقش ونگار ہوں، ایسے جیکٹ جس پر Polka ٹائپ کے نقوش ہوں، یا آڑھی ترچھی لکیریں ہوں؟

جواب: خواتین کے لیے جو ملبوسات جائز ہیں، ان کے لیے یہ تین موٹی موٹی شرائط کا لحاظ رکھنا چاہیے:

1۔ لباس ساتر ہو سوائے ان اعضاء کے جن کا ظاہر کرنا جائز ہے۔

2۔ لباس اتنا شفاف نہ ہو کہ اس سے جسم جھلکے، جیسے وہ مہین قسم کے کُرتے کہ جن سے بازو صاف نظر آتے ہیں۔

3۔ اتنے بھڑکیلے نہ ہوں کہ جاذب نظر ہوں۔

آپ نے اپنے سوال میں جن ملبوسات کا ذکر کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ ممنوع لباس کی تعریف میں نہیں آتے۔

یوٹیوب کے ایک پروگرام کے بارے میں سوال

سوال: میرا یہ فعل کفر یا شرک تو شمار نہ ہو گا کہ میں یوٹیوب پر ایک کارٹون کا پروگرام دیکھ رہا تھا کہ اچانک میری نظر پروگرام کے ناشر کے ٹائٹل کی طرف گئی۔ اس کا عنوان تھا(God of Memes) یعنی خدائے میمز، میں نے استغفر اللہ کہا اور اسے فوراً بند کر دیا۔ مجھے یہ احساس کھائے جا رہا ہے کہ کہیں میں نے کفر وشرک کا ارتکاب تو نہیں کر لیا اور پھر میں نے اللہ سے یہ عہد بھی کیا کہ آئندہ پروگرام کے ناشر کا نام اور ٹائٹل دیکھے بغیر کوئی پروگرام یا شو (Show) نہیں دیکھوں گا۔

جواب: میں پہلے تو آپ کی حمیت اور احساس مسؤلیت کی تحسین کرتا ہوں اور پھر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ کوئی بھی پروگرام دیکھیں، اسے اس کی نوعیت اور مندرجات کے اعتبار سے جانچا جائے گا۔ ناشر یعنی (User Name) کے بارے میں یہ بات واضح رہے کہ لفظ 'اللہ' (بمعنیٰ معبود واحد) اور انگریزی کے لفظ (God) میں فرق ہے۔

مذکورہ لفظ میں 'الوہیت' کا مفہوم ظاہر نہیں ہے۔ بلکہ یہ لفظ 'رب' (بمعنیٰ پالنہار، آقا) سے زیادہ قریب ہے اور قرآن میں 'رب' کا لفظ اللہ کے لیے بھی آیا ہے جیسے رب العالمین، رب السموات والارض اور گھر کے سربراہ یا بادشاہ کے لیے بھی آیا ہے جیسے سورۃ یوسف میں سیدنا یوسف علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے قید کے دوران بادشاہ کے پیغامبر سے کہا تھا:

"قال ارجع إلى ربك فاسأله.... "

"اپنے رب (یعنی بادشاہ) کے پاس واپس جا اور اس سے سوال کر کہ ان عورتوں کا کیا ماجرا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔" (آیت: 50)

عربی زبان میں : " رب الأسرۃ (خاندان کا سربراہ) ایک مشہور محاورہ ہے، ایسے ہی یہاں بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ مذکورہ ٹیوب کے پروگرام کے ناشر کا نام ایسے ہی ہے جیسے اردو میں کہا جائے:

" میمز کا بادشاہ" اور اس لحاظ سے اس ترکیب میں کفر وشرک کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

میت کی تصاویر کا نشر کرنا

سوال: جرمنی سے ایک صاحب سوال کرتے ہیں کہ اس وقت علوم اسلامیہ میں ڈاکٹریٹ کر رہا ہوں، میری رہنمائی کریں کہ

مردہ لاشوں کی چاہے وہ عام حالت میں ہوں، یا حادثے کی بنا پر کٹی پھٹی اور بھیانک صورت ہو چکی ہوں، کی تصاویر کا مارکیٹ کی خاطر یا ویسے ہی پیش کرنا کیسا ہے اور اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: مردہ لاشوں کی تصاویر کا چاہے وہ عام حالت میں ہوں یا بھیانک شکل اختیار کر چکی ہوں، نشر کرنا ناجائز ہے۔ یہ انسان کی حرمت کے منافی ہے، الّا یہ کہ یہ کام ضرورۃً کیا جائے جیسے طب کی تعلیم یا علاج کی غرض ہو اور یا کسی مشتبہ موت کی بنا پر بغرض تفتیش اس کی ضرورت محسوس ہو۔

سوال: حدیث "تقتلك الفئة الباغية" سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مابین جنگ کے تناظر میں کچھ اشکالات پیدا ہوتے ہیں جیسے کہ سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے جیش میں ہونا اور پھر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے جیش کے ہاتھ ان کا قتل

کیا جانا، صحابی رسول سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں شکوک وشبہات جہنم دیتا ہے؟ اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟

جواب: مندرجہ ذیل امور ملاحظہ ہوں کہ جن کی روشنی میں آپ کے سوال کا جواب مل جائے گا۔

1۔ عام طور پر اس مسئلہ میں صرف دو پارٹیوں ہی کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ایک سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی اور دوسرے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی، کہ جنہیں باغی گروپ قرار دیا جاتا ہے، حالانکہ وہاں ایک تیسرا گروپ بھی موجود تھا اور وہ تھے قاتلین خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کہ جن کے ہاتھوں سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا قتل ہوا تھا اور جن کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"تقتلك الفئة الباغية"

”باغی جماعت تجھے قتل کرے گی۔“

2۔ صحیح بخاری کی وہ حدیث ملاحظہ ہو جس میں کہا گیا ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہو گی جب تک کہ دو جماعتوں میں ایک بڑی جنگ نہ ہو گی جبکہ ان دونوں جماعتوں کا دعویٰ ایک ہی ہو گا۔

یہ بات علماء اسلام میں تقریباً طے ہے کہ اسے کب اور کیسے انجام دیا جائے جبکہ قاتلین عثمان دونوں جماعتوں میں اور خاص طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گروپ میں چھپے ہوئے تھے۔

3۔ دونوں جماعتیں اہل ایمان کی جماعتیں تھیں۔ اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس لڑائی میں شریک ہوئیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا خیال تھے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ ناحق قتل کیے گئے ہیں اور وہ بطور ان کے ولی کے قصاص کا مطالبہ کرنے میں برحق ہیں، اور ان کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مطالبہ تھا کہ وہ امور خلافت میں سب سے پہلے اس کام کی طرف توجہ دیں۔

دوسری طرف سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا خیال یہ تھا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو سب سے پہلے ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرنی چاہیے تاکہ ان کی خلافت مستحکم ہو سکے۔ گویا دونوں نے اجتہاد سے ایک رائے قائم کی اور نبی کریم ﷺ کے فرمان کے مطابق جس کا اجتاد درست ہو گا وہ دُھرا ثواب کمائے گا اور جس کا اجتہاد غلط ہو گا وہ صرف اکہرے ثواب کا مستحق ہو گا۔

سورۃ الحجرات کی آیت 9 کے مطابق دونوں گروپ مؤمنین کا لقب پائیں گے، فرمایا:

﴿ وَإِن طَائِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اقْتَتَلُوا فَأَصْلِحُوا بَيْنَهُمَا﴾

”اگر مؤمنین میں سے دو جماعتیں ایک دوسرے سے قتال کریں تو ان میں صلح کرانے کی کوشش کرو۔“

4۔ صحابہ میں کئی ایسے بھی تھے جنہوں نے لڑائی میں شرکت کرنے سے توقف کیا، وہ کسی بھی پارٹی کے ساتھ شریک نہ ہوئے۔

ان میں اس حدیث کا کہ

”اے عمار! تمہیں ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔“ کے چار راوی بھی تھے یعنی ابو ایوب انصاری، ابو ہریرہ، ام سلمہ اور ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہم۔

دوسرے چار راوی بشمول عمار، ابو قتادہ، خزیمہ بن ثابت اور ابو الیسر سیدنا علی رضی اللہ عنہم کے کیمپ میں تھے، مزید دو راوی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے گروپ میں تھے۔

اس حدیث کے کل چھبیس (26) راوی ہیں جن میں سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں جو اس لڑائی سے پیچھے ہٹ گئے تھے۔

وہ اپنے والد عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ ہی کے کیمپ میں تھے۔ ان سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سوال بھی کیا تھا کہ تم ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیتے؟ تو انہوں نے کہا تھا کہ میں تو صرف اپنے والد کے ساتھ ٹھہرا ہوا ہوں، کیونکہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا تھا کہ اپنے باپ کا ساتھ نہ چھوڑنا۔“

پیچھے رہ جانے والوں میں سیدنا عبد اللہ بن عمر، سیدنا سعد بن ابی وقاص اور سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہم بھی شامل تھے۔

محمد بن اسیرین کہتے ہیں:

”یہ وہ زمانہ تھا جب دس ہزار صحابہ موجود تھے، لیکن اس لڑائی میں تیس سے زائد صحابہ شریک نہیں ہوئے۔“

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ تھا اور اسی لیے اختلاف رائے کا اظہار ہوا۔

5۔ جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کو باغی گروپ نے قتل کیا تھا، یعنی وہ لوگ تھے جو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل میں شریک تھے اور یہی وجہ ہے کہ کوئی بھی صحابی سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کے قتل سے راضی نہ تھا۔

جب سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ

”عمار تمہارے آدمیوں کے ہاتھ قتل ہوئے؟ تو انہ رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا تھا:

”وہ ان لوگوں کے ہاتھوں قتل ہوئے جو ان کو لے کر آئے تھے۔“

جب دو آدمیوں یعنی ابن جوی السکسکی اور ابو غادیہ الفرازی نے دعویٰ کیا کہ

عمار ان کے ہاتھوں قتل ہوئے تھے تو عمرو بن العاص نے ان سے یہ الفاظ کہے تھے:

”اللہ کی قسم! تمہارے ہاتھوں نے کوئی کامیابی حاصل نہیں کی بلکہ تم نے اللہ کو ناراض کیا ہے۔“

زیاد بن الحارث کہتے ہیں کہ میں دوران جنگ میں عمار کے اتنے قریب تھا کہ میرا گھٹنا ان کے گھٹنے کو چھو رہا تھا۔ ایک شخص نے باآواز بلند کہا:

شام کے لوگوں نے کفر کا ارتکاب کیا ہے؟ تو سیدنا

عمار رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا:

" ایسامت کہو!"

ان کا یہ کہنا کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات کی تصدیق کرتا ہے:"عمار! انہیں اللہ کی طرف (یا ایک دوسری روایت کے مطابق جنت کی طرف) بلاتا ہے اور وہ اسے جہنم کی طرف بلا رہے ہیں۔"

یعنی وہ انہیں اس راستے کی طرف بلا رہے ہیں جو انہیں جنت کی طرف لے جاتا ہے، سیدنا عمار رضی اللہ عنہ اس اعتبار سے معاویہ اور ان کے لشکریوں کو خلیفہ وقت کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے دعوت دے رہے تھے اور مخالفین انہیں اس راہ سے باز رکھنے کی دعوت دے رہے تھے جو کہ جہنم کی طرف بلانے کے مترادف تھا۔

6۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں ہونا، اس بات کی علامت تھا کہ ان کے مخالفین یعنی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی جہنمی تھے؟

تو پھر یہ سوال بھی اٹھتا ہے کہ یہ کیسے ممکن تھا کہ صحابہ کی ایک اچھی بھلی تعداد سیدنا عمار رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے بارے میں حدیث کو جانتے بوجھتے کیسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہے؟

اور یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ اگر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ باغی تھے تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس بات کا علم رکھنے کے باوجود ان سے صلح کی کوشش کیوں کرتے رہے؟

اور جس طرح وہ بعد ازاں خارجیوں کے ساتھ مسلسل لڑتے رہے، انہوں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ کیوں نہ جاری رکھی؟

اور اس سے بھی ایک قدم آگے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے باغی ہونے کا علم تھا تو انہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد اپنے چھ ماہ کے دور حکومت کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت سے دستبرداری کیوں کی؟ بلکہ ان کا یہ عمل تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی صداقت ظاہر کرتا ہے کہ جو انہوں نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا جبکہ وہ ابھی بچے تھے:

"میرا یہ بیٹا سید ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر مسلمانوں کے دو بڑے فریقین کے درمیان صلح کرا دیں گے۔"

یہ حدیث بھی دونوں گروہوں (بشمول معاویہ رضی اللہ عنہ) کے مسلمان ہونے کی شہادت دے رہی ہے، اور اس بات کی تردید کر رہی ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ باغی یا گمراہ تھے۔

اور پھر کیا یہ درست نہیں ہے کہ بالآخر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے کیمپ کی طرف سے مصحف کو لہرایا گیا تھا کہ اسے فریقین کے درمیان حکم بنایا جائے!!

انہوں نے تو صلح کی خاطر یہاں تک کہا تھا کہ

اگر ہم اسی طرح باہمی جنگ وجدال میں مصروف رہے تو اسلامی ریاست کی حدود کی حفاظت کون کرے گا اور بت پرستوں اور کفار کے خلاف جہاد کون کرے گا؟

7۔ بہر حال ایک بات تو واضح ہے کہ

سیدنا عمار کا قتل اس بات کی گواہی بن گیا کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ برحق تھے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا کہ جب لوگ اختلاف کریں گے تو حق وہاں ہو گا جہاں سمیہ کا بیٹا ہو گا۔"

اور چونکہ سیدنا عمار رضی اللہ عنہ، سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے کیمپ میں تھے، اس لیے ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ

مذکورہ مسئلہ میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا اجتہاد درست تھا اور سیدنا معاویہ اپنے اجتہاد میں غلطی پر تھے، یہاں ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ قول بھی یاد رکھنا چاہیے جو انہوں نے مجتہد کے بارے میں کہا تھا

کہ اگر اس کا اجتہاد درست ہو تو اسے دوہرا ثواب ملتا ہے اور اگر غلط ہو تب بھی اکہرا ثواب ملتا ہے۔ ہم اپنی اس بات کو امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول پر ختم کرتے ہیں۔

حدیث کے یہ الفاظ" ويح عمار، يقتلك الفئة الباغية" "ہائے افسوس عمار! تمہیں ایک باغی گروہ قتل کرے گا۔"

اس بات کی طرف اشارہ نہیں کرتے کہ

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور اس کے ساتھی اس قضیہ میں ملوث ہوں گے، بلکہ ان لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ

جنہوں نے عمار پر حملہ کیا اور انہیں قتل کیا، وہ لشکر کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا اور جو لوگ بھی عمار کے قتل سے خوش تھے، ان پر بھی یہ قول صادق آتا ہے (یعنی باغی ہونے کا) اور یہ بات طے شدہ ہے کہ

لشکر میں سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ان جیسے کئی دوسرے لوگ تھے جو عمار کے قتل پر راضی نہ تھے اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جیسے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جنہوں نے قتل کی مذمت کی تھی۔" (فتاویٰ ابن تیمیہ: 236/4)

☆☆☆



نبی کریم ﷺ کے روزانہ کے معمولات

محمد نعمان فاروقی

اس عنوان کے تحت نہ تو آپ ﷺ کی عبادات کے مکمل احوال بیان کیے جاسکتے ہیں اور نہ روز مرہ کے اذکار ذکر کیے جاسکتے ہیں کیونکہ اس کے لیے بہت سے صفحات درکار ہیں۔ یہاں تو بس آپ ﷺ کے روزانہ کے معمولات کا ایک سرسری سا خاکہ سامنے رکھنا مقصود ہے کہ آپ ﷺ کون سا کام کس وقت اور کتنے دورانیے میں کیا کرتے تھے جس کے سلسلے میں راقم نے آپ ﷺ کے اقوال وافعال کو پیش نظر رکھا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے:

تہجد کے لیے اُٹھنا

حسبِ ذیل روایات کو سامنے رکھیں تو اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ رات کی آخری تہائی سے پہلے بیدار ہو جایا کرتے تھے۔

الف: نبی ﷺ نے سیدنا داوٗد علیہ السلام کے قیام کو اللہ کے ہاں پسندیدہ قرار دیا۔ اور حدیث میں وضاحت ہے کہ وہ رات کا ایک تہائی قیام کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: 1131)

ب: نبی مکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب رات کی آخری تہائی ہوتی ہے تو اللہ آسمانِ دنیا پر نزول فرماتا ہے اور ... گویا اس حدیث میں اس وقت حالتِ بیداری میں ہونے کی ترغیب ہے اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ ﷺ اس وقت آرام کر رہے ہوں۔

ج :سیدنا مسروق رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ ﷺ کب (قیام اللیل کے لیے) اُٹھتے تھے؟ وہ فرمانے لگیں: آپ ﷺ اس وقت بیدار ہوتے تھے جب مرغ کی آواز سن لیتے تھے۔ (صحیح بخاری: 1132)

جب آپ اُٹھتے تو وضو کا پانی اور مسواک آپ کے سرہانے کے پاس موجود ہوتے تھے۔ (سنن ابی داوٗد: 1346)

تہجد سے پہلے آپ ﷺ مسواک کر لیا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

«إِذَا قَامَ الرَّجُلُ يَتَوَضَّأُ لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ وَاسْتَنَّ ثُمَّ قَامَ فَصَلَّى أَطَافَ بِهِ الْـمَلَكُ وَدَنَا مِنْهُ حَتَّى يَضَعَ فَاهُ عَلَى فِيْهِ» (الجامع الصغیر: 725... صحیح)

"جب آدمی رات یا دن کو بیدار ہوتا ہے، وہ وضو کرتا ہے اور اچھے انداز سے کرتا ہے اور مسواک کرتا ہے تو فرشتہ اسے گھیر لیتا ہے اور اس کے قریب ہو جاتا ہے حتی کہ اپنا منہ اس کے منہ پر رکھ لیتا ہے..."

نمازِ تہجد

رسول اکرم ﷺ گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے۔ ٹھہر ٹھہر کر سکون اور اطمینان سے پڑھنے میں کم از کم ڈیڑھ سے دو گھنٹے لگتے ہوں گے۔ ہمارے ہاں جو قرائے کرام وتر سمیت رکعات تراویح پڑھاتے ہیں، ان میں سے ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے والے ڈیڑھ سے پونے دو گھنٹے صرف کرتے ہیں۔ (صحیح بخاری: 1133)

اگر ہم پاکستان اور بھارت کی گرمیوں اور سردیوں کی راتوں کو تین حصوں میں تقسیم کریں تو رات کی آخری تہائی سردیوں میں تقریباً 3 بجے اور گرمیوں میں تقریباً 2 بجے شروع ہو جاتی ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے یہاں کے حساب کے مطابق سردیوں میں 3 بجے کے قریب اور گرمیوں میں 2 بجے کے قریب بیدار ہو جایا کرتے تھے۔

نمازِ تہجد کے بعد: نبی ﷺ تہجد کے بعد اذانِ فجر سے پہلے آرام فرماتے تھے۔ اس کی ایک دلیل تو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے، کہتی ہیں کہ میرے ہاں جب بھی آپ ﷺ کی سحری کا وقت ہوتا تو آپ آرام فرما رہے ہوتے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ سیدنا داوٗد علیہ السلام کے قیام کی گزشتہ روایت میں یہ وضاحت ہے کہ وہ رات کا تہائی حصہ قیام فرماتے اور (آخری) چھٹے حصے میں آرام کرتے۔ اور آپ ﷺ نے اس قیام کو پسندیدہ قرار دیا تھا۔ آپ کا اپنا معمول بھی یہی تھا۔ اسی لیے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما آپ کے معمول کے متعلق بتاتے ہیں: "آپ ﷺ نے (تہجد کی) نماز پڑھی اور آرام کیا، پھر مؤذن آپ ﷺ کے پاس آیا تو آپ اُٹھے اور نماز پڑھائی اور آپ نے وضو نہ کیا۔" (صحیح بخاری: 726)

یہ وہ وقت تھا جس میں آپ ﷺ کے پاس کوئی نہیں آتا تھا۔ (صحیح بخاری: 1180)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی وضاحت بتا رہی ہے کہ اذانِ فجر سے قبل آپ ﷺ کچھ آرام فرماتے تھے۔

نمازِ فجر

اذانِ فجر کے بعد آپ ﷺ ہلکی سی دو رکعتیں پڑھتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ یہ رکعتیں اس قدر مختصر ہوتی تھیں کہ میں کہتی: آیا آپ نے سورۂ فاتحہ بھی پڑھی ہے؟ (صحیح بخاری: 1171)

فجر کی سنتوں میں آپ ﷺ کیا پڑھتے تھے؟ آیئے

اس کا جواب اس صحابی کے الفاظ میں پڑھتے ہیں جو مہینہ بھر اس جستجو میں رہے کہ آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں کن آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ وہ صحابی ہیں: سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما۔ وہ کہتے ہیں: آپ ﷺ فجر کی سنتوں میں سورۃ ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ اور سورۃ ﴿قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے تھے۔" (صحیح بخاری: 417)

فجر کی سنتوں کے بعد اپنے دائیں پہلو پر لیٹتے تھے۔ (صحیح بخاری: 1123)

سنتوں کے بعد فجر کی نماز پڑھاتے۔ عمومی طور پر (ایک رکعت میں) 60 سے 100 آیات تک تلاوت فرماتے۔ (صحیح بخاری: 599)

نمازِ فجر کے بعد

نماز فجر کے بعد ذکر اذکار فرماتے۔ اور اس کے بعد نبی ﷺ صحابہ کرام کو رات دیکھے گئے خوابوں کی تعبیر بھی بتاتے۔ لوگوں سے باقاعدہ پوچھتے: «هَلْ رَأَى أَحَدٌ مِّنْكُمُ اللَّيْلَةَ رُؤْيَةً»

"کیا تم میں سے کسی نے آج رات کوئی خواب دیکھا ہے؟ (السلسلۃ الصحیحۃ: 1/471، حدیث: 473)

رسول اکرم ﷺ نے اگر کوئی خواب دیکھا ہوتا تو آپ وہ بھی بیان فرماتے جیسا کہ صحیح بخاری میں آپ ﷺ کا ایک طویل خواب ہے جو نمازِ فجر کے بعد آپ نے بیان کیا تھا۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر یہ باب قائم کیا ہے: "صبح کی نماز کے بعد خواب کی تعبیر بیان کرنا۔" (صحیح بخاری: 7047)

اگر رات کو کوئی وحی آئی ہوتی تو وہ بھی نمازِ فجر کے بعد ہی لوگوں کو بتاتے۔ جیسا کہ سیدنا کعب بن مالک اور ان کے دو رُفقا: ہلال بن اُمیہ اور مرارہ بن ربیع کی توبہ کی قبولیت کی اطلاع بذریعہ وحی رات کو آگئی تھی۔ سیدہ اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا نے رات ہی کو سیدنا کعب کی طرف خوشخبری بھیجنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت نہ دی بلکہ فجر کے بعد یہ اطلاع دی۔ (صحیح بخاری: 4418)

نمازِ فجر سے طلوعِ آفتاب کے دورانیے میں آپ ﷺ لوگوں سے محوِ گفتگو بھی ہوتے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: سیدنا سماک بن حرب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: کیا آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مجلس کیا کرتے تھے؟ وہ کہنے لگے: ہاں، بہت زیادہ۔ آپ ﷺ تو جس جگہ نمازِ فجر پڑھتے تھے، طلوع آفتاب تک وہیں بیٹھے رہتے تھے۔ سورج طلوع ہوتا تو آپ ﷺ وہاں سے اُٹھتے تھے۔ صحابہ کرام آپ سے باتیں کرتے رہتے، پھر ایامِ جاہلیت کا تذکرہ بھی کرتے اور (ان باتوں) پر ہنستے بھی اور آپ ﷺ مسکرا رہے ہوتے۔ (صحیح مسلم:2322)

طلوعِ آفتاب کے بعد اشراق کے نفل

طلوعِ آفتاب کے بعد آپ ﷺ ضحیٰ کی نماز پڑھتے۔ یہ 2 تا 8 رکعات ہوتی تھی۔ فتح مکہ کے دن آپ ﷺ نے 8 رکعات پڑھی تھیں۔ (صحیح بخاری: 357)

سیدہ معاذہ نے اُمّ المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ ﷺ ضحیٰ کی نماز کی کتنی رکعات پڑھتے تھے؟ کہنے لگیں: چار رکعات اور اس سے زیادہ جتنی چاہتے۔ (صحیح مسلم:719)

لگتا ایسے ہے کہ آپ ﷺ نمازِ ضحیٰ مسجد ہی میں ادا فرماتے تھے۔ اس کی ایک دلیل تو سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے جس میں وضاحت گزری ہے کہ آپ ﷺ ضحیٰ کی نماز پڑھنے کے بعد ان کے ہاں تشریف لائے۔ (صحیح مسلم:2726)

دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے نمازِ فجر کے بعد اشراق تک مسجد میں بیٹھنے کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ حدیث ہے:

«مَنْ صَلَّى الْفَجْرَ فِي جَمَاعَةٍ، ثُمَّ قَعَدَ يَذْكُرُ اللهَ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلّٰى رَكْعَتَيْنِ، كَانَتْ لَهُ كَأَجْرِ حَجَّةٍ وَعُمْرَةٍ»

"جس نے جماعت کے ساتھ فجر کی نماز ادا کی، پھر طلوعِ آفتاب تک بیٹھا ذکر اذکار کرتا رہا، پھر اس نے دو رکعات ادا کیں تو اسے ایک حج اور عمرے جتنا ثواب ملتا ہے۔" (جامع ترمذی: 586؛ السلسلۃ الصحیحۃ: 3404)

پینے کے پانی میں نبی ﷺ کا ہاتھ مبارک

اس دوران مدینہ منورہ کے رہائشیوں کے خادم اپنے پانی کے برتن وغیرہ لے آتے جن میں پانی بھی ہوتا۔ جو بھی برتن آپ ﷺ کے پاس لایا جاتا، آپ اس میں اپنا ہاتھ مبارک ڈالتے۔ کبھی سخت سردی میں بھی لایا جاتا تو آپ ﷺ پھر بھی اپنا ہاتھ پانی میں ڈال دیتے۔ (صحیح مسلم:2324)

ناشتہ

اس کے بعد ناشتہ کرتے لیکن یہ طلوع آفتاب کے فوری بعد نہیں بلکہ کچھ تاخیر سے ہوتا تھا کیونکہ اگر ضحیٰ کی نماز کے بعد فوری ناشتہ کرنے کی عادت ہوتی تو سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا کو مصلے کی بجائے چولہے کے پاس ہونا چاہیے تھا۔ مگر ناشتے میں زیادہ تاخیر بھی نہیں ہوتی تھی کیونکہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ جب میرے ہاں آتے تو پوچھتے: «هَلْ عِنْدَكُمْ طَعَامٌ؟» "تمہارے پاس کھانے کو کچھ ہے؟" تو جب ہم کہتے: نہیں تو آپ ﷺ فرماتے: «إِنِّي صَائِمٌ» "بے شک میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔" (سنن ابی داوٗد: 2455)

ان روایات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ ازواج مطہرات کو اپنی عبادت کا موقع بھی دیتے تھے۔

کہیں آنے جانے کا وقت

اس کے بعد کسی کام سے جانا ہوتا تو چلے جاتے۔ جیسا کہ ایک دن سیدنا عِتبان بن مالک نے آپ ﷺ کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تو آپ ﷺ نے فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا۔ اور اگلے دن پہلے پہر

آپ ﷺ سیدنا ابو بکر کے ساتھ اُن کے ہاں پہنچ گئے اور جاتے ہی نماز پڑھائی۔ (صحیح بخاری: 425)

میرا استدلال یہاں یہ ہے کہ آنے جانے کا یہ وقت طلوع آفتاب کے بعد تھا کیونکہ اگر یہ وقت طلوعِ آفتاب سے پہلے کا ہوتا تو اس وقت تو نفل نماز پڑھنے کی ممانعت ہے۔ اور اس کی مزید دلیل صحیح بخاری کی اسی حدیث میں امْتَدَّ النَّهَارُ کے الفاظ بھی ہیں جس کے معنی ہیں: ”دن چڑھ گیا۔“ (صحیح بخاری: 1171)

سیدنا انس غزوہ خیبر کے موقع پر خیبر پہنچنے کا وقت بتاتے ہیں:

"صَبَّحْنَا خَيْبَرَ بُكْرَةً" ”ہم صبح سویرے خیبر پہنچ گئے۔“ (صحیح بخاری: 2834)

اسی طرح سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ اور انصار و مہاجرین ایک سرد ترین صبح کو خندق کھودنے کے لیے نکلے۔ (صحیح بخاری: 7201)

احادیث میں آتا ہے کہ نبی ﷺ نے دن کے ابتدائی حصے میں برکت کی دعا کی تھی (سنن ابی داؤد: 2606) چنانچہ آپ ﷺ نے کوئی لشکر روانہ کرنا ہوتا تو دن کے آغاز ہی میں بھیجتے۔ (سنن ابی داؤد: 2606) اور خود جانا ہوتا تو بھی اسی وقت جاتے۔ اسی طرح آپ ﷺ کے پاس ملاقات کے لیے اکثر لوگ پہلے پہر ہی آتے تھے۔ سیدنا طارق اشجعی کہتے ہیں:

”ہم ایک صبح نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ایک اور آدمی بھی آیا۔ ایک خاتون بھی آئی۔ وہ آدمی پوچھنے لگا...“ (صحیح الادب المفرد: 1/245، 507)

بہر حال عہدِ نبوی ﷺ کا یہ معمول سامنے آتا ہے کہ وہ ناشتے سے لے کر زوال تک کے وقت میں روزانہ کے آنے جانے کے اور ضروری کام نمٹا لیتے تھے۔

نمازِ ظہر

آپ ﷺ کا معمول نمازوں کو اوّل وقت میں پڑھنے کا تھا۔ اور ظہر کا وقت زوال کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے وقت کے مطابق سردیوں میں 12 بجے کے قریب قریب اور گرمیوں میں ساڑھے بارہ کے قریب نماز پڑھاتے تھے۔ ظہر کی پہلی سنتوں کی آپ ﷺ نے ترغیب دی ہے۔ یقیناً آپ خود بھی پڑھتے تھے۔ اس کے بعد ظہر کی نماز کی امامت فرماتے۔ ظہر کی نماز میں عموماً کتنی تلاوت فرماتے؟ اس سلسلے میں سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے الفاظ ہماری رہنمائی کرتے ہیں:

”ہم نے نبی ﷺ کی ظہر اور عصر کی نماز کا اندازہ لگایا۔ چنانچہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں کے قیام کا دورانیہ 30 آیات کی تلاوت کے برابر تھا، یعنی سورۃ الم السجدہ کی تلاوت جتنا اور دوسری دو رکعتوں میں قیام اس کے نصف کے برابر (15 آیات کی تلاوت جتنا) ہوتا تھا۔ اور عصر کی پہلی دو رکعتوں میں قیام ظہر کی آخری دو رکعتوں کے دورانیے (15 آیات کی تلاوت جتنا) ہوتا تھا جبکہ عصر کی آخری دو رکعات پہلی دو رکعات سے آدھی ہوتی تھیں (7، 8 آیات کے برابر)۔“ (سنن ابی داؤد: 804)

ہماری تحقیق کے مطابق 30 آیات کی تلاوت میں اندازاً 8 سے 9 منٹ لگتے ہیں، اس طرح ظہر کی پہلی 2 رکعتوں کا دورانیہ 8 سے 9 منٹ اور دوسری 2 رکعتوں کا 4 سے 5 منٹ ہوتا تھا۔ اس طرح ظہر کی نماز تقریباً 14، 15 منٹ پر مشتمل ہوتی تھی۔ واللہ اعلم

اور اس کے بعد ذکر اذکار کر کے سنتیں ادا فرماتے۔ اس دوران بھی آپ کے ہاں مختلف وفود آتے۔ غالب طور پر نمازوں کے اوقات میں وفود آتے کہ اس کے بعد آپ ﷺ سے ملاقات ہو جائے گی۔ ایک دوسرا پہلو یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ وفود کی خواہش ہوتی کہ زیادہ سے زیادہ صحابہ سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔ جیسا کہ ایک دن ظہر کی نماز پر وفد عبد القیس کی آمد ہوئی اور آپ ﷺ ان میں مشغول ہو گئے۔ آپ ﷺ کی ظہر کی سنتیں بھی رہ گئیں، پھر آپ نے وہ سنتیں عصر کے بعد سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں ادا کیں۔ (صحیح بخاری: 1233)

قیلولہ

نبی کریم ﷺ دوپہر کے وقت آرام بھی فرماتے تھے جسے 'قیلولہ' کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے خادم خاص سیدنا انس بن مالک دوپہر کے آرام کی وضاحت ان الفاظ سے فرماتے ہیں: ”میں کسی ایک دن آپ ﷺ کی خدمت کرتا رہا، جب میں نے دیکھا کہ میں آپ ﷺ کی خدمت سے فارغ ہو چکا ہوں۔ میں نے (دل میں) کہا آپ ﷺ قیلولہ فرما لیں، چنانچہ میں وہاں سے چلا آیا۔ وہاں (راستے میں) کچھ بچے کھیل رہے تھے۔ میں وہاں رُک گیا اور ان کا کھیل دیکھنے لگا۔ اتنے میں آپ ﷺ ان بچوں کے پاس پہنچ گئے اور انھیں سلام کیا، پھر مجھے بلایا اور مجھے کسی کام سے بھیج دیا...“ (صحیح الادب المفرد: 885)

اس روایت سے قیلولے کے متعلق کچھ باتیں واضح ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ نبی ﷺ قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ جس کا سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو اندازہ تھا اور اُنھوں نے وہ لمحات آپ ﷺ کو فراہم کیے۔ دوسرے یہ کہ قیلولہ گھنٹوں آرام کرنے کا نام نہیں ہے۔ یہ کچھ دیر آرام کرنے کا نام ہے جسے ہم ستانے یا ریلیکس ہونے سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

مسند احمد میں اس کی کچھ وضاحت اس طرح ہے: سیدنا انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے کسی کام سے بھیجا اور خود دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہو گئے۔ (مسند احمد: 5/222) اس روایت سے قیلولے کے وقت کی وضاحت ملتی ہے۔ وہ اس طرح کہ آپ ﷺ دیوار کے سائے میں تشریف فرما ہوئے اور دیوار کا اتنا سایہ جس میں بیٹھا جا سکے وہ یا تو دس گیارہ بجے تک ہوتا ہے یا پھر دو تین بجے کے بعد، لہٰذا زیادہ گمان یہی ہے کہ یہ 2، 3 بجے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ اور سائے میں تشریف فرما ہونا بتا رہا ہے کہ یہ گرمیوں کی ایک دوپہر تھی۔

دراصل قیلولہ دوپہر کے کسی بھی وقت آرام کرنے کا نام ہے۔ آپ ﷺ کو دوپہر کے اوقات میں جب بھی وقت میسر آتا، آپ قیلولہ فرما لیتے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے موسم گرما میں ہفتے کے 6 دن نمازِ ظہر سے پہلے اور جمعے والے دن جمعے کے بعد آپ ﷺ کے قیلولے کا استدلال کیا ہے۔ جس روایت سے اُنھوں نے استدلال کیا ہے وہ یہ ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

وَكَانَ لَا يُصَلِّي بَعْدَ الْجُمُعَةِ حَتَّى يَنْصَرِفَ فَيُصَلِّيَ رَكْعَتَيْنِ

"اور آپ ﷺ جمعے کے بعد (مسجد میں) نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ (گھر) واپس جا کر دو رکعات پڑھتے تھے۔" (صحیح بخاری: 937)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کا حوالہ دے کر رقم طراز ہیں:

"بے شک آپ ﷺ جمعہ جلدی ادا کرتے تھے، اس کے بعد قیلولے کے لیے جاتے تھے۔ لیکن نمازِ ظہر کا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ (گرمیوں میں) اسے آپ قدرے ٹھنڈا (تاخیر) کر کے پڑھتے اور قیلولہ اس سے پہلے کر لیا کرتے۔" (فتح الباری: 13/78)

نبی ﷺ کے دوپہر کے آرام کے وقت اور اس کے دورانیے کے اندازے کے بعد اب ہم یہ جانتے ہیں کہ آپ ﷺ قیلولہ اکثر کہاں فرمایا کرتے تھے۔ یہ سعادت دو جلیل القدر صحابیات سیدہ ام سُلیمؓ اور سیدہ اُمِّ حرام بنت ملحانؓ کے حصے میں آتی تھی۔ امّ سلیم سیدنا انس بن مالک کی والدہ تھیں، اور آپ ﷺ کی رضاعی خالہ تھیں (فتح الباری: 5/93، طبع دارالسلام) اور سیدہ اُم حرام بنت ملحان رضی اللہ عنہا ام سلیم رضی اللہ عنہا کی بہن تھیں، اس لیے یہ بھی آپ ﷺ کی رضاعی خالہ لگیں۔ اس لیے آپ ﷺ ان دونوں کے لیے محرم بھی تھے اور ان کے ہاں قیلولہ بھی فرمالیتے تھے۔ سیدہ ام سلیمؓ کے ہاں قیلولہ کرنے کی روایت، انھی کے لختِ جگر سیدنا انس بیان کرتے ہیں: "نبی کریم ﷺ امّ سلیمؓ کے ہاں آیا کرتے تھے اور اُن کے ہاں قیلولہ فرماتے تھے۔ وہ آپ ﷺ کے لیے بستر بچھا دیا کرتی تھیں۔ اسی دوران وہ آپ ﷺ کا مبارک پسینہ بھی (بطورِ خوشبو) شیشی میں بھر لیا کرتیں۔ (صحیح بخاری: 6281) سیدہ امّ سلیم اور سیدہ ام حرام دونوں ہی ملحان کی بیٹیاں تھیں۔

اکثر طور پر قیلولہ انھی کے ہاں ہوتا تھا۔ مگر جب کبھی آپ وادیٔ قبا کا رخ فرماتے تو یہ سعادت امّ حرامؓ کے حصے میں آجاتی۔ یہ روایت بھی ام حرامؓ کے بھانجے سیدنا انس بیان کرتے ہیں:

"نبی ﷺ جب قبا جایا کرتے تھے تو سیدہ امّ حرام بنت ملحانؓ کے ہاں جاتے۔ وہ آپ کے لیے کھانا تیار کرتیں۔ ایک دن جب آپ ﷺ اُن کے ہاں آئے تو انھوں نے کھانا کھلایا۔ آپ ﷺ کھانے کے بعد آرام فرمانے لگے۔ پھر بیدار ہوئے تو مسکرا رہے تھے۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کی: اللہ کے رسول ﷺ! آپ کی مسکراہٹ کی کیا وجہ ہے؟ آپ ﷺ نے اُس موقع پر اسلامی بحریہ کی بشارت دی..." (صحیح بخاری: 6282)

اسی طرح نبی کریم ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے تو تب بھی آپ ﷺ نے سیدنا ابوایوب انصاری سے کہا: «فَانْطَلِقْ فَهَيِّئْ لَنَا مَقِيلًا»

"جائیں اور ہمارے دوپہر کے آرام کے لیے کچھ بندو بست کریں۔" (صحیح بخاری: 3911)

الغرض آپ سفر و حضر میں قیلولہ فرمایا کرتے تھے۔ اور اُمّت کو بھی ان الفاظ سے تلقین فرمائی:

«قِيلُوا فَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَا تَقِيلُ»

"قیلولہ (دوپہر کا آرام) کیا کرو۔ بے شک شیطان قیلولہ نہیں کرتے۔" (السلسلۃ الصحیحۃ: 1647)

دراصل قیلولے سے انسان ایک دفعہ پھر تازہ دم ہو جاتا ہے۔ اور رات تک کے بقیہ اُمور اچھے انداز سے نباہ سکتا ہے حتیٰ کہ صبح سویرے اُٹھنے کے لیے بھی قیلولہ معاون ثابت ہوتا ہے۔

دوپہر کا کھانا

سیدہ امّ حرامؓ کی مذکورہ روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ آپ ﷺ جب قبا جاتے تو ام حرامؓ کے ہاں جاتے اور وہ آپ کی خدمت میں کھانا پیش کرتیں اور آپ آرام فرماتے۔ اور یہاں ماضی استمراری کے صیغے ہیں، یعنی ایسا بارہا ہوتا آیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے دوپہر کے کھانے کا معمول یہی تھا۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ ممکن ہے، یہ صبح یا شام کا کھانا ہو مگر ہم کہیں گے کہ شام کے کھانے کے بعد تو نبی کریم ﷺ عشاء سے پہلے سونے کو ناپسند کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: 599)

دوسرے یہ کہ حدیثِ مذکور کے دوسرے طرق میں وضاحت ہے کہ سیدہ امّ حرامؓ آپ ﷺ کا سر دیکھنے لگیں۔ (صحیح بخاری: 2788) اور سر دیکھنے کا کام روشنی ہی میں ہوتا ہے۔

اُس دور میں ظاہر ہے کہ رات کو مصنوعی روشنی نہیں ہوتی تھی۔ مگر یہاں ایک اہم وضاحت ضروری ہے وہ یہ کہ ہمارے ہاں سر دیکھنا سے مراد جوئیں نکالنا لیا جاتا ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کبھی ماؤں، خالاؤں یا پھوپھیوں کو اپنے چھوٹوں پر، خواہ وہ لڑکیاں ہوں یا لڑکے، جب پیار آتا ہے تو وہ سر دیکھنا شروع کر دیتی ہیں، اگرچہ سر میں ایسا کچھ نہ ہو۔ اس لیے سیدہ امّ حرامؓ آپ ﷺ کا سر مبارک دیکھتی تھیں تو اسے اسی پر محمول کیا جائے۔ واللہ اعلم

تیسرے یہ کہ احادیثِ مبارکہ میں ہمیں کھانے کے دو اوقات کا تذکرہ ہی ملتا ہے۔ پہلے پہر کے کھانے کو "غَدَاء" اور شام کے کھانے کو "عَشَاء" کہا جاتا تھا۔ سیدنا سہل بن سعد کہتے ہیں: "كُنَّا نَقِيلُ وَنَتَغَدّٰى بَعْدَ الْجُمُعَةِ" "ہم جمعے کے روز پہلے پہر کا کھانا اور قیلولہ جمعے کے بعد ہی کرتے تھے۔" (صحیح بخاری: 6279) جمعہ بروقت اور مختصر ہوتا تھا، اس لیے جمعے کو صبح کا کھانا (ناشتہ) جمعے کے بعد کر لیتے۔

پہلے پہر کے کھانے کے متعلق ایک اور روایت بھی ہے۔ ایک دن نبی کریم ﷺ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں آئے۔ چولہے پر ہنڈیا اُبل رہی تھی۔ آپ ﷺ نے صبح کا ناشتہ منگوایا تو آپ کی خدمت میں روٹیاں اور (پہلے سے موجود) گھر کا سالن پیش کیا گیا۔ آپ نے فرمایا: «أَلَمْ أَرَ لَحْمًا؟» "میں نے گوشت (پکتا) نہیں دیکھا تھا؟" گھر والوں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! بات تو اسی طرح ہے مگر وہ گوشت بریرہ رضی اللہ عنہا کو بطورِ صدقہ دیا گیا تھا تو انھوں نے ہمیں ہدیہ کر دیا

ہے۔ فرمایا: «هُوَ صَدَقَةٌ عَلَيْهَا وَهَدِيَّةٌ لَنَا»
”وہ گوشت اس کے لیے صدقہ تھا جبکہ ہمارے لیے ہدیہ ہے۔“ (صحیح بخاری: 5430)

اس حدیث میں "فَدَعَا بِالْغَدَاءِ" ”تو آپ نے پہلے دوپہر کا کھانا منگوایا ...“ ہمارا محل استدلال ہے۔ اور ’الغداء‘ عربی میں پہلے پہر کے کھانے پر بولا جاتا ہے۔

نمازِ عصر

اس کے بعد عصر کا وقت ہوتا۔ نمازِ عصر سے پہلے چار رکعات کی ترغیب بھی ثابت ہے۔ دعائے نبوی ہے:«رَحِمَ اللّٰهُ امْرَأً صَلَّى قَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا» ”اللہ اس شخص پر رحم فرمائے جو عصر سے قبل چار رکعات پڑھے۔“ (سنن ابی داود: 1271)

اس سے واضح ہے کہ آپ ﷺ خود بھی یہ نوافل پڑھتے تھے۔ پھر عصر کی نماز پڑھاتے۔ عصر کی نماز کی پہلی دو رکعتیں ظہر کی آخری دو رکعتوں کے برابر ہوتیں۔ اور آخری دو رکعتیں اس سے چھوٹی ہوتیں۔ (سنن ابی داود:804)

ہماری تحقیق کے مطابق نمازِ عصر کا دورانیہ تقریباً 8 سے 9 منٹ ہوتا تھا۔ واللہ اعلم

نمازِ عصر کے بعد

صحابہ کرام کو کسی ضابطے یا شرعی حکم سے آشنا کرنا ہوتا یا کسی وعظ و نصیحت سے نوازنا ہوتا تو عموماً عصر کے بعد ہی ایسا کرتے۔ اس کے کئی ایک دلائل ہیں:

1۔ سیدنا ابو سعید خدری ؓ کہتے ہیں، ایک دن آپ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھائی پھر خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے۔ اور قیامت تک وقوع پذیر ہونے والے معاملات کا ذکر کیا... (صحیح الترغیب والترہیب : 2751)

2۔ سیدنا ابن عمر ؓ سے روایت ہے کہ ہم عصر کے بعد نبی کریم ﷺ کے جلو میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ادھر سامنے قُعَیقِعان پہاڑ پر دھوپ پڑ رہی تھی۔ اس دوران آپ ﷺ نے فرمایا:

«مَا أَعْمَارُكُمْ فِي أَعْمَارِ مَنْ مَضٰى، إِلاَّ كَمَا بَقِيَ مِنَ النَّهَارِ فِيمَا مَضٰى مِنْهُ»
”تم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں، ان کی اور تمھاری عمروں کا یہی تناسب ہے جیسے اب دن کا کچھ حصہ باقی ہے۔“ (مسند احمد:2/115) یعنی تمھاری عمریں سابقہ لوگوں کی نسبت کم ہوں گی۔

3۔ فاطمہ بنت اسد مخزومیہؒ، جن سے چوری ہو گئی تھی، سیدنا اسامہ کو اُن کی سفارش کے لیے پیش کیا گیا۔ واقعہ مشہور ہے مگر اس دن جو آپ ﷺ نے اس حوالے سے خطبہ ارشاد فرمایا، وہ بھی پچھلے پہر تھا۔ حدیث میں اس کی وضاحت اس طرح ہے:

فَلَمَّا كَانَ الْعَشِيُّ قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ خَطِيبًا...«فَإِنَّمَا أَهْلَكَ النَّاسَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوْا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيْفُ...»
”پھر جب پچھلا پہر ہوا، آپ ﷺ خطبہ دینے کے لیے کھڑے ہوئے اور فرمایا...“ (صحیح بخاری: 4304)

4۔ اسی طرح ایک دفعہ سیدہ عائشہ ؓ نے سیدہ بریرہ ؓ سے ان کی آزادی کا معاملہ طے کیا کیونکہ وہ حالتِ غلامی میں تھیں۔ تو ان کے مالکوں نے کچھ ناجائز شرط رکھ دی۔ نبی کریم ﷺ کے علم میں یہ بات آئی تو آپ ﷺ نے اس بارے میں عمومی ضابطہ بیان فرمانا تھا۔ اس کے لیے آپ ﷺ نے اسی وقت کا انتخاب فرمایا۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

... ثُمَّ قَامَ النَّبِيُّ ﷺ مِنَ الْعَشِيِّ فَأَثْنٰى عَلَى اللّٰهِ بِمَا هُوَا أَهْلُهُ ثُمَّ قَالَ: مَا بَالَ النَّاسُ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ...

”پھر جب پچھلا پہر ہوا تو نبی کریم ﷺ (وعظ کے لیے) کھڑے ہوئے، اللہ کی ثنا بیان کی جو اس کے شایانِ شان ہے، پھر فرمایا: ”لوگوں کو کیا ہے کہ وہ ایسی شرطیں رکھتے ہیں جن کی کتاب اللہ میں اجازت نہیں ...“ (صحیح بخاری: 2155)

بہرحال العَشِيُّ کے لفظ میں عصر سے پہلے اور بعد کے دونوں احتمال موجود ہیں مگر دیگر قرائن عصر کے بعد کا اشارہ کرتے ہیں۔ عصر کے بعد عمومی نوعیت کے خطبوں کی حکمت شاید یہ ہو کہ لوگ کام کاج سے واپس آچکے ہوتے تھے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ سن سکیں۔ واللہ اعلم

گھریلو زندگی

نمازِ عصر کے بعد جس دن کوئی وعظ و تذکیر یا صحابہ کرام کے ساتھ بیٹھنے کا ارادہ نہ ہوتا یا وعظ و تذکیر سے فارغ ہو کر آپ ﷺ عصر کے بعد کے ان لمحات کو گھریلو اور نجی زندگی کے طور پر گزارتے تھے۔ اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ ؓ نجی زندگی کے اس پہلو کو ان الفاظ سے بیان کرتی ہیں:

كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلٰى نِسَاءِهِ فَيَدْنُو مِنْ إِحْدَاهُنَّ

”رسول اللہ ﷺ جب عصر کی نماز سے فارغ ہوتے تو اپنی ازواج کے ہاں جاتے اور ان میں سے کسی ایک کے قریب ہوتے (جن کے ہاں قیام ہوتا)۔“ (صحیح بخاری: 5216)

اس وقت ہر ایک زوجہ محترمہؓ کو وقت بھی برابر دیتے۔ اس کی وضاحت مذکورہ حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: ”تو آپ ﷺ سیدہ حفصہ ؓ کے ہاں آئے تو آپ ﷺ ان کے پاس اس دورانیے سے زیادہ ٹھہرے جتنا آپ ٹھہرا کرتے تھے...“ (صحیح بخاری: 5216)

ازواجِ مطہرات کو اندازہ تھا کہ آپ ﷺ ایک زوجہ کے ہاں عموماً اتنا ٹھہرتے ہیں، اسی لیے تو وہ کہہ رہی ہیں کہ آپ اس دورانیے سے زیادہ سیدہ حفصہ ؓ کے ہاں رہے۔

جب ازواج کے ہاں عصر کے بعد جاتے تو دو نفل

پڑھتے۔ سیدہ عائشہ ؓ روایت کرتی ہیں:

”نبی ﷺ جب بھی عصر کے بعد میرے ہاں آتے تو دو رکعات ضرور پڑھتے۔“ (صحیح بخاری: 593)

کسی کے ذہن میں سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ عصر کے بعد نفل کی ممانعت ہے۔ اس کا جواب ایک تو یہی حدیث ہے، دوسرے یہ کہ عصر کے فوراً بعد یا سورج کے زرد ہونے سے پہلے تک نفل کی اجازت ہے۔ ممانعت غروبِ آفتاب کے قریب وقت کی ہے۔ مزید دلائل کا یہ موقع نہیں۔

ازواج کے ہاں جا کر کیا آپ ﷺ اپنے ہی آپ میں مگن رہتے تھے؟ نہیں بالکل نہیں۔ گھر کے کاموں میں ان کے ساتھ شریک ہو جایا کرتے تھے۔ سیدہ عائشہ ؓ سے ان کے شاگرد اَسود رحمۃ اللہ علیہ پوچھتے ہیں: نبی ﷺ کی گھر میں کیا مصروفیات ہوتی تھیں؟ سیدہ عائشہؓ جواب دیتی ہیں:

"يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ"

”نبی ﷺ گھر والوں کے کام کاج میں مصروف رہتے، یعنی ان کا ہاتھ بٹاتے۔“ (صحیح بخاری: 676)

اس دوران اپنے کام کاج بھی کر لیتے۔ سیدہ عائشہؓ سے آپ ﷺ کے گھر کی مصروفیات کے متعلق پوچھا گیا تو اُنھوں نے بتایا کہ ”آپ ﷺ اپنے کپڑے سی لیا کرتے تھے اور اپنے جوتے گانٹھ لیا کرتے تھے اور عام طور پر مرد گھروں میں جو کام کاج کرتے ہیں، وہ بھی کرتے تھے۔“ (صحیح ابن حبان:5677)

عہدِ نبوی میں مغرب سے پہلے کا یہ وقت عمومی طور پر گھروں میں کھانا پکانے کا ہوتا تھا کیونکہ عرب میں مغرب کے وقت، تھوڑا سا پہلے یا بعد میں شام کا کھانا کھایا جاتا تھا۔ ظاہر ہے اس کی تیاری مغرب سے پہلے ہی ہوتی تھی۔ اسی لیے تو آپ ﷺ نے ایک ہی وقت میں کھانا تیار ہونے اور نمازِ مغرب کا وقت ہو جانے پر کھانے سے آغاز کا حکم فرمایا ہے۔ حدیث میں شام کے کھانے اور نمازِ مغرب کی صراحت ہے۔ الفاظ یہ ہیں:

« إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَؤُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْـمَغْرِبِ»

”جب شام کا کھانا پیش کر دیا جائے تو نماز مغرب سے پہلے اسے کھا لیا کرو۔“ (صحیح بخاری: 672)

نمازِ مغرب

پھر جب اذان سنتے تو (مسجد کی طرف) چل نکلتے۔ (صحیح بخاری: 5363) سیاق و سباق سے اندازہ ہوتا ہے کہ جس اذان کو سن کر آپ مسجد جایا کرتے تھے، یہ مغرب کی اذان ہوا کرتی تھی۔ کیونکہ باقی نمازوں میں آپ ﷺ سنتیں گھر میں پڑھا کرتے تھے اور اسی کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

پھر مغرب کی نماز پڑھاتے۔ مغرب کی نماز میں عموماً چھوٹی سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ عہدِ صحابہ میں ایک شخص مغرب میں قصارِ مُفصّل (سورۃ البینہ سے الناس تک) کی تلاوت کرتے تھے۔ سیدنا ابو ہریرہ نے ان کی نماز کو رسول اللہ ﷺ کی نماز کے سب سے زیادہ مشابہ قرار دیا۔ (سنن نسائی: 984)

جبکہ کبھی نمازِ مغرب میں سورۃ مرسلات اور سورۂ طور کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ (صحیح بخاری: 4429)

شام کا کھانا

نمازِ مغرب کے بعد عشاء سے پہلے پہلے آپ ﷺ کھانا تناول فرما لیتے تھے۔ اس کی ایک دلیل عمومی رواج کی ہے کہ تمام لوگ مغرب کے بعد یا پہلے ہی کھانا کھایا کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک خاص دلیل بھی ہے: حدیث کے الفاظ اس طرح ہیں

إِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ ثُمَّ لَبِثَ حَتَّى صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ ... (صحیح مسلم: 2057)

”اور بے شک ابو بکر نے نبی ﷺ کے ہاں سے شام کا کھانا کھایا پھر عشاء کی نماز تک وہاں ہی رہے ...“ اسی طرح آپ ﷺ عشاء سے قبل سونے کو ناپسند کرتے تھے۔

نمازِ عشاء

بعد ازاں نمازِ عشاء پڑھاتے۔ عشاء کی نماز میں آپ ﷺ نے سیدنا معاذ ؓ کو والشّمس اور واللیل اور الاعلیٰ جیسی سورتیں پڑھنے کا کہا تھا۔ (صحیح مسلم: 1068) اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نماز عشاء میں اس جیسی سورتیں ہی پڑھا کرتے تھے یا اس سے بھی چھوٹی۔ ایک رات آپ ﷺ نے عشاء کی نماز میں سورۃ التّین کی تلاوت فرمائی۔ (سنن ابن ماجہ: 834)

عشاء کی نماز تاخیر سے پڑھنے کو پسند فرماتے تھے۔ (صحیح بخاری: 599)

سیدہ عائشہ ؓ بیان کرتی ہیں: ”رسول اللہ ﷺ عشاء کی نماز پڑھاتے، پھر اپنے گھر والوں (جن کے پاس قیام کی نوبت ہوتی) کے پاس آتے۔ پھر چار رکعات پڑھتے، پھر اپنے بستر کی طرف جاتے اور (سونے کے اذکار کر کے) سو جاتے۔ وضو کا پانی بھی آپ ﷺ کے سر مبارک کی طرف پاس ہی پڑا ہوتا اور مسواک بھی رکھی ہوتی۔ (سنن ابی داوٗد:1346)

نبی کریم ﷺ عشاء کے بعد باتیں کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ (صحیح بخاری: 599)

اپنے شب و روز کے معمولات کے ساتھ آپ ﷺ ہمیشہ ذکر میں مشغول رہتے۔ حدیث ہے:

كَانَ رَسُولُ اللهِ ﷺ يَذْكُرُ اللهَ عَزَّوَجَلَّ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ

”رسول اللہ ﷺ اپنے تمام اوقات میں اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے۔“ (صحیح مسلم:852)

یہ تھا آپ ﷺ کے معمولات کا ایک مختصر خاکہ۔ رفتہ رفتہ اسے مزید وسعت دینے کی کوشش جاری رہے گی۔ ان شاء اللہ

محترم قارئین! آپ کے علم میں موضوع سے متعلقہ کوئی بات ہو مجھے آگاہ کریں۔ جزاکم اللہ خیرًا



حدیث نمبر:54

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رضي الله عَنْهما؛ «أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رضي الله عَنْه جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، وَقَالَ : يَا رَسُولَ اللهِ، مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ.

فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ : وَاللهِ مَا صَلَّيْتُهَا. قَالَ : فَقُمْنَا إِلَى بَطْحَانَ، فَتَوَضَّأَ لِلصَّلاةِ، وَتَوَضَّأْنَا لَهَا، فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتْ الشَّمْسُ. ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ».[رواه البخاري، كتاب مواقيت الصلاة، باب من صلى بالناس جماعة بعد ذهاب الوقت، برقم 596، ومسلم، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب الدليل لمن قال الصلاة الوسطى...، برقم 631.]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ:

سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خندق کے دن آئے بعد اس کے کہ سورج غروب ہو چکا تھا کفار قریش کو برا بھلا کہنے لگے اور عرض کی یارسول اللہ ﷺ میں عصر کی نماز نہ پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے لگا نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

”اللہ کی قسم میں بھی یہ نماز نہ پڑھ سکا پھر ہم برساتی نالے کی طرف اٹھ کر گئے آپ ﷺ نے نماز کے لئے وضو کیا ہم نے بھی نماز کے لئے وضو کیا آپ ﷺ نے سورج غروب ہونے کے بعد عصر کی نماز پڑھی پھر اس کے بعد مغرب کی نماز ادا کی۔“

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : يَوْمَ الْخَنْدَقِ: خندق والا دن یعنی جنگ خندق کے دنوں میں سے ایک دن۔

2 : غَرَبَتِ الشَّمْسُ: سورج غروب ہو گیا۔

3 : جَعَلَ يَسُبُّ: برا کہنے لگے۔ کسی کے متعلق سخت الفاظ کہنا۔

4 : كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ : قریب تھا کہ سورج غروب ہو جاتا۔

5 : بُطْحَانَ: برساتی نالہ۔ مدینہ کے قریب وادی ہے۔

6 : تَوَضَّأَ لِلصَّلٰوةِ : نماز کے لئے وضوء کیا۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ شرعی عذر سے فوت شدہ نماز کی قضاء واجب ہے۔ البتہ جان بوجھ کر چھوڑی گئی نمازوں کی صدق دل سے توبہ ہے۔

2۔ حالت جنگ میں مسلمانوں کی حفاظت کا بندوست کرنے کی اہمیت۔

3۔ فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی میں ان کو ترتیب سے ادا کیا جائے گا یعنی پہلے پہلی نماز اور دوسری اس کے بعد۔ غزوۂ خندق جس کا دوسرا نام غزوہ احزاب بھی ہے اس کے بعض دنوں میں ایک دن کی چار نمازوں ظہر عصر مغرب اور عشاء کو اکٹھا ادا کیا گیا، ظہر، عصر، مغرب اور عشاء اور ان کو ترتیب سے ادا کیا گیا۔

4۔ فوت شدہ نمازوں کے لیے بھی جماعت مسنون ہے۔

5۔ ظالم کے خلاف بد دعا کرنا شرعاً جائز ہے۔

6۔ یسب کا معنی عموما گالی دینا کے کیئے جاتے ہیں حالانکہ عربی زبان میں یہ لفظ کسی دوسرے کو سخت الفاظ کہنے، ڈانٹ ڈپٹ وغیرہ کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں۔

7۔ سچے آدمی کا قسم اٹھانا جائز ہے اگرچہ اس سے قسم کا مطالبہ نہ کیا گیا ہو۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

8۔ نماز کے لیے وضو شرط ہے۔ وضو ممکن نہ ہوسکنے کی صورت میں تیمم کیا جائے گا۔

حدیث نمبر: 55

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رضي الله عَنْهما؛ أَنَّ رَسُولَ اللهِ ﷺ قَالَ : «صَلاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلاةِ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً»[رواه البخاري، كتاب الأذان، برقم 645، ومسلم، واللفظ له، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، برقم 650.]

حدیث مبارکہ کا سلیس ترجمہ

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجے زیادہ افضل ہے۔“

حدیث مبارکہ کے بعض الفاظ کے معانی

1 : صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ : جماعت کی نماز یعنی باجماعت نماز پڑھنا۔

2 : صَلَاةُ الْفَذِّ: اکیلے کی نماز یعنی انفرادی طور پر نماز ادا کرنا۔

3 : بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً: ستائیس درجے۔

حدیث مبارکہ سے حاصل ہونے والے بعض مسائل اور احکام

1۔ مسجد میں باجماعت نماز کی اہمیت و فضیلت۔

2۔ نماز باجماعت انفرادی نماز سے ستائیس درجے زیادہ افضل ہے۔

3۔ انفرادی نماز کے صحیح ہونے کی طرف اس حدیث میں اشارہ ملتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں یہ فرمایا گیا کہ نماز باجماعت انفرادی نماز سے افضل ہے اس سے معلوم ہوا کہ انفرادی نماز صحیح ہوتی ہے لیکن باجماعت نماز ادا کرنا فرض ہے اور بغیر شرعی اور معقول عذر کے مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز کو چھوڑنے کی رخصت نہیں ہے۔ البتہ جماعت نماز کی ادائیگی کے لیے شرط نہیں ہے۔ شرط نہ ہونا کا مطلب یہ ہے کہ ایسا نہیں ہے کہ اکیلے کی نماز کا وجود ہی نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔



غلطی وکوتاہی کی معافی

اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کا مواخذہ کرنے کی بہ جائے اسے معاف کر دینا چاہیے۔ معافی بھی کُلّی طور پر دی جائے، یعنی سرزنش کی کسی ادنیٰ سی صورت کا بھی اظہار نہ کیا جائے، جیساکہ نبی کریم ﷺ اپنے خادم کو "اُف" تک نہیں کہا کرتے تھے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

لَقَدْ خَدَمْتُ رَسُولَ اللهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَوَاللّٰهِ مَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ، وَلَا قَالَ لِشَيْءٍ فَعَلْتُهُ: لِمَ فَعَلْتَ كَذَا؟ وَلَا لِشَيْءٍ أَفْعَلُهُ: أَلَا فَعَلْتَ كَذَا؟ .

(صحيح بخاري، كتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء، وما يكره من البخل: 6038- صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب كان رسول الله ﷺ أحسن الناس خلقاً: 2309)

"میں نے دس سال رسولِ مکرم ﷺ کی خدمت کی، قسم بخدا! آپ نے مجھے کبھی بھی اُف تک نہیں کہا، اور نہ تو کسی ایسے کام پہ کہ جو میں نے کیا ہو یہ کہا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ ہی کسی ایسے کام پہ کہ جو میں نہ کر سکا ہو یہ کہا کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا؟"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ

مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ ضَرَبَ خَادِمًا قَطُّ، وَلَا ضَرَبَ امْرَأَةً لَهُ قَطُّ، وَلَا ضَرَبَ بِيَدِهِ شَيْئًا إِلّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللهِ عَزّ وَجَلّ، وَلَا نِيلَ مِنْهُ شَيْءٌ قَطُّ فَيَنْتَقِصُهُ مِنْ صَاحِبِهِ إِلّا أَنْ يَكُونَ لِلّٰهِ، فَإِذَا كَانَ لِلّٰهِ انْتَقَمَ لَهُ، وَلَا عُرِضَ عَلَيْهِ أَمْرَانِ إِلّا أَخَذَ الّذِي هُوَ أَيْسَرُ حَتّى يَكُونَ إِثْمًا، فَإِنْ كَانَ إِثْمًا كَانَ أَبْعَدَ النّاسِ مِنْهُ.

(صحيح مسلم، كتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام واختياره من المباح، أسهله وانتقامه لله عند انتهاك حرماته: 7232)

"میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی کسی خادم کو اور اپنی کسی بیوی مارتے نہیں دیکھا، اور نہ ہی آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کسی کو مارا سوائے راہِ خدا میں جہاد کرتے ہوئے، اگر آپ ﷺ کو کوئی نقصان پہنچایا گیا تو آپ ﷺ نے اس کا انتقام نہیں لیا، سوائے اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی معاملہ ہو، اللہ تعالیٰ کے معاملات میں آپ ﷺ انتقام لیا کرتے تھے اور اگر دو کام آپ ﷺ کے سامنے آتے تو آپ ﷺ ان دونوں میں سے آسان ترین کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، کیونکہ اگر وہ گناہ ہوتا تو آپ ﷺ تو گناہ سے تمام لوگوں سے زیادہ دُور رہتے تھے۔"

معاملات میں نرم رویّہ

زوجۂ پیغمبر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ إِنّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ، وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ، وَما لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاهُ.»

(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: 2593)

"اے عائشہ! یقیناً اللہ تعالیٰ نرم ہے اور نرمی کو پسند فرماتا ہے، وہ نرمی پر وہ کچھ عطا کر دیتا ہے جو وہ سختی اور اس کے علاوہ کسی بھی اور چیز پر عطا نہیں کرتا۔"

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ وہ ایک اونٹ پر سوار تھیں اور اسے مارنے لگیں، نبی ﷺ نے (یہ دیکھا تو) فرمایا:

«يَا عَائِشَةُ عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ، فَإِنّهُ لَمْ يَكُنْ فِي شَيْءٍ إِلّا زَانَهُ، وَلَمْ يُنْزَعْ مِنْ شَيْءٍ إِلّا شَانَهُ»(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: 2594-سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الرفق: 4808)

"اے عائشہ! نرمی اپناؤ، کیونکہ جس بھی چیز میں نرمی آجاتی ہے اسے خوبصورت بنادیتی ہے اور جس چیز سے نرمی چھین لی جاتی ہے اسے بدصورت بنادیتی ہے۔"

سیدنا جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ يُحْرَمِ الرِّفْقَ يُحْرَمِ الْخَيْرَ»

(صحيح مسلم، كتاب البر والصلة، باب فضل الرفق: 2592- سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الرفق: -4809)

"جو نرمی سے محروم کر دیا گیا، وہ بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔"

متانت وسنجیدگی اور پاکیزہ کردار

کسی بھی مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ غیر سنجیدہ، بدچلن اور بدکردار ہو، کیونکہ یہ خصائلِ رذیلہ اسلام کے ماننے والے کی ناموس وعزت اور اس کے دِین کے منافی امور میں سے ہیں۔ حقیقی مسلمان تو نیک چلن اور پاکیزہ کردار کا حامل ہوتا ہے،

اسی طرح نہ وہ حق بات کرنے کے وقت خاموش رہتا ہے اور نہ ہی بے فائدہ اور غیر ضروری باتوں اور کاموں میں اُلجھا رہتا ہے بلکہ بامقصد اور میانہ رو ہوتا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنّ الْهَدْيَ الصّالِحَ، وَالسّمْتَ الصّالِحَ، وَالِاقْتِصَادَ جُزْءٌ مِنْ خَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوّةِ.»

(سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الوقار: 4776-مسند أحمد:296/1)

”نیک چال چلن، پاکیزہ کردار اور میانہ روی نبوّت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزو ہے۔“

شرم وحیاء اور پاکدامنی

شرم وحیاء بندہ مسلم کا امتیازی وصف ہے۔ جس شخص میں حیاء نہ ہو وہ حقیقی مسلمان نہیں ہوتا، کیونکہ حیاء کے وجود سے ہی ایمان کا وجود ہے اور اس کے فقدان سے نہ صرف ایمان جاتا رہتا ہے بلکہ تمام اخلاقی گراوٹیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ حیاء جتنا بھی ہو کم ہی ہوتا ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ مَرّ بِرَجُلٍ وَهُوَ يَعِظُ أَخَاهُ فِي الْحَيَاءِ، فَقَالَ: «دَعْهُ فَإِنّ الْحَيَاءَ مِنَ الْإِيمَانِ.»

(صحيح بخاری، كتاب الإيمان، باب الحياء من الإيمان: 24- صحیح مسلم، كتاب الإيمان، باب شعب الإيمان:36)

”نبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک آدمی کے پاس سے گزرے تو وہ اپنے بھائی کو حیا کے بارے میں نصیحت کر رہا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے چھوڑ دے، کیونکہ حیاء ایمان کا حصہ ہے۔“

صحیح بخاری میں یہ حدیث ذرا تفصیل کے ساتھ موجود ہے، اس میں ذکر ہے کہ وہ آدمی اپنے جس بھائی کو سمجھا رہا تھا وہ بہت شرمیلا تھا، یہ اسے اتنا شرمانے کے بارے میں سرزنش کر رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ تم اس قدر شرماتے ہو کہ بسا اوقات اس کی وجہ سے تمہارا نقصان بھی ہو جاتا ہے، اس لیے اتنا شرمانا اچھا نہیں۔ پاس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گزر رہے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سُن لیا تو اسے فرمایا: ایسامت کہو، کیونکہ حیاء تو ایمان کا حصہ ہے، اس لیے اسے حیاء کو کم کرنے کی نصیحت مت کرو۔

سیدنا ابوہریرہ، ابو بکرہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْحَيَاءُ مِنَ الْإِيمَانِ، وَالْإِيمَانُ فِي الْجَنّةِ، وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ، وَالْجَفَاءُ فِي النّارِ»

(سنن ترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في الحياء: 2009- سنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب الحياء: 4184-المعجم الكبير للطبراني: 178/18-سلسلة الأحاديث الصحيحة:495)

”حیاء ایمان کا حصہ ہے اور ایمان جنّت میں (لے جانے والا) ہے، بدزبانی بداخلاقی کا حصہ ہے اور بداخلاقی جہنّم میں (لے جانے والی) ہے۔“

گویا حیا موجب جنّت اور بدزبانی موجب جہنّم ہے۔

سیدنا عمران بن حصین رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ، وَالْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلّا بِخَيْرٍ.»

(صحیح مسلم، كتاب الإيمان، باب شعب الإيمان:37)

”حیاء سراسر بھلائی ہی ہے، اور حیاء بھلائی ہی لے کر آتا ہے۔“

یعنی حیا کا نتیجہ سوائے خیر وبھلائی کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا، یہ سراسر خیر کا ہی پیش خیمہ ہوتا ہے۔

سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنّ مِمّا أَدْرَكَ النّاسُ مِنْ كَلَامِ النُّبُوّةِ الْأُولَى: إِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَافْعَلْ مَا شِئْتَ.»

(صحيح بخاری، كتاب أحاديث الأنبياء، باب حديث الغار: 3483-سنن أبوداؤد، كتاب الأدب، باب في الحياء: 4797)

”پہلے انبیاء کی کلام سے جو بات لوگوں نے یاد رکھی ہے وہ یہ ہے کہ جب تجھے حیا محسوس نہ ہو تو جو تیرا جی چاہے کر۔“

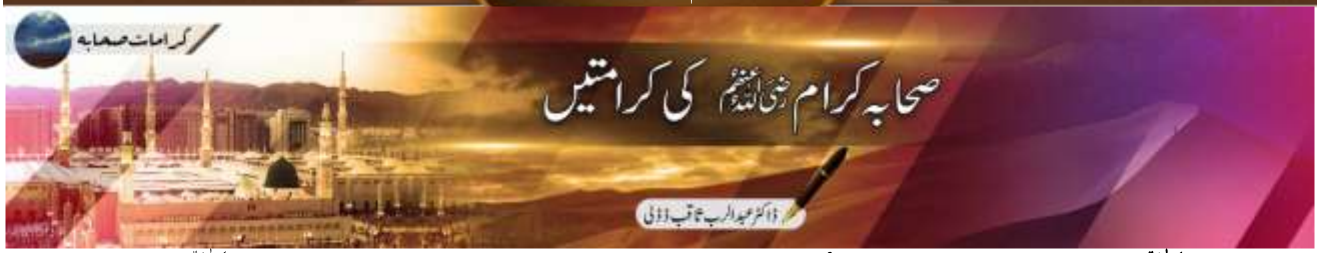
جب انسان میں حیا کا فقدان ہو جائے تو اس پر وعظ ونصیحت کچھ اثر نہیں کرتا اور نہ ہی وہ کسی کا کچھ پاس ولحاظ رکھتا ہے، بلکہ اس کا نفس اس قدر شیطنت میں غرق ہو جاتا ہے کہ وہ جو بھی کرتا رہے اسے کچھ پرواہ نہیں ہوتی، نہ اسے رب تعالیٰ کا خوف رہتا ہے اور نہ ہی لوگوں میں بدنامی کا ڈر، گویا وہ ان لوگوں میں شمار ہو جاتا ہے کہ جن کی نظر میں ہوائے نفسانیہ کے سوا کسی اور چیز کی اہمیت نہیں رہتی۔

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ أَشَدّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ.

(صحیح بخاری، كتاب الأدب، باب من لم يواجه الناس بالعتاب:6102-صحیح مسلم، كتاب الفضائل، باب كثرة حيائه ﷺ:2320)

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ نشین کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء والے تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی بات یا کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے ہی پہچان لیا کرتے تھے۔“

☆☆☆



رسول اکرم ﷺ کے غلام سفینہ کی کرامت

ابن منکدر سے روایت ہے کہ سفینہ رسول اللہ ﷺ کے غلام روم میں لشکر سے بچھڑ گئے یا وہاں قید کر لیے گئے تو وہاں سے بھاگ نکلے اور لشکر تلاش کرنے لگے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک شیر آپ کے سامنے آ گیا، سفینہ نے کہا کہ اے ابو الحارث! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں اور میرے ساتھ ایسا ہو گیا ہے! یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا میرے پہلو میں کھڑا ہو گیا، جب کوئی خوفناک آواز سنتا تو شیر اس کی طرف جاتا پھر واپس سفینہ کے پہلو میں آ جاتا، یہاں تک کہ سفینہ لشکر سے جا ملے اور شیر وہاں سے واپس ہو گیا۔

(شرح السنۃ؛ مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر 5678) پہلی التوسل للالبانی میں اسے ضعیف الاسناد موقوف قرار دیا ہے۔ یعنی سند کے اعتبار سے ضعیف اور موقوف ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی کرامت

ابن ابی الجوزاء روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ مدینے والے سخت قحط میں مبتلا ہو گئے تو وہ سیدہ عائشہ سے اس کی شکایت کی، انہوں نے کہا کہ نبی کریم ﷺ کی قبر شریف کو دیکھو اور آسمان کی طرف روشن دان نکالو، اس طرح کہ آپ ﷺ کے روضہ مبارک اور آسمان کے درمیان چھت نہ ہو، انہوں نے ایسا ہی کیا، چنانچہ وہ بارش برسا گئے، جس سے گھاس پیدا ہوئی، اونٹ فربہ ہو گئے یہاں تک کہ چربی کی کثرت کی وجہ سے ان کے جسم پھٹ گئے اور اس سال کو فتق کا سال (اونٹوں کے جسموں کے پھٹنے کا سال) کہا گیا۔ (مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر 5950)

(احکام الجنائز شیخ البانی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ صحیح نہیں ہے۔)

اس حدیث سے ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کرامت ثابت ہے کہ انہوں نے ایسا صائب مشورہ دیا کہ اہل مدینہ کی پریشانی جاتی رہی اور پہلے سے زیادہ خوشحالی عود کر آ گئی!

روضۂ رسول ﷺ سے نمازوں کے اوقات ہلکی آواز کا سنائی دینا

سیدنا سعید بن عبد العزیز روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ گرمی کے دنوں میں تین دن مسجد نبوی میں اذان ہوئی اور نہ اقامت کہی گئی اور سیدنا سعید بن مسیب مسجد ہی میں رہے اور وہ نمازوں کے اوقات بھی نہیں جانتے تھے مگر ہلکی آواز کے جو آپ ﷺ کی قبر مبارک سے آتی تھی۔ (سنن دارمی، مشکوٰۃ المصابیح: حدیث نمبر 5951) (شیخ البانی نے اسے ضعیف قرار دیا ہے)

نبی کریم ﷺ کی دعا سے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی کرامت

ابی خلدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو العالیہ سے کہا کہ کیا سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے احادیث سنی ہیں؟ ابو العالیہ نے کہا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے دس سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کی ہے اور نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے دعا کی ہے اور سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا ایک باغ تھا جو سال میں دو مرتبہ پھل دیتا تھا اور اس باغ میں پھول کے درخت تھے جن سے مشک و کستوری کی خوشبو آتی تھی۔

(جامع ترمذی، مشکوٰۃ المصابیح: حدیث 5952)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے 10 سال نبی کریم ﷺ کی خدمت کی، اللہ کے نبی ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے لیے دعا فرمائی، جس کی وجہ سے ان کی عمر 103 سال ہوئی اور ان کی 100 اولاد ہوئی اور مال میں بہت برکت ہوئی جو 10 سال آپ ﷺ کی خدمت رہے وہ براہِ راست آپ ﷺ سے بہت کچھ سنا ہے۔

سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ بن عمرو بن نفیل کی کرامت

سیدنا عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سعید بن عمرو بن نفیل سے اروی بنت اوس نے جھگڑا کیا اور یہ دعویٰ کیا کہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے اروی کی زمین پر ناجائز قبضہ کر لیا ہے۔ سیدنا سعید رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں اس کی زمین پر ناجائز قبضہ کروں گا جبکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سن چکا ہوں؟ مروان نے کہا کہ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے کیا سنا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ”جو شخص کسی کی زمین ظلم سے لے لے گا، اللہ تعالیٰ ایسی سات زمینیں اس کے گلے میں طوق بنا کر ڈال دے گا۔“

یہ سن کر مروان نے کہا کہ اس کے بعد میں آپ سے کوئی ثبوت نہیں مانگوں گا۔ سیدنا سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بد دعا کی کہ اے اللہ! اگر یہ جھوٹی ہے تو اسے اندھی کر دے اور اسے اس کی زمین ہی میں موت دے۔

سیدنا سعید نے کہا کہ وہ نہیں مری یہاں تک کہ وہ اندھی ہو گئی اور ایک مرتبہ وہ اپنے گھر میں چل رہی تھی کہ گھر کے اندر ایک گڑھے میں گر گئی اور مر گئی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ محمد بن زید بن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یوں وارد ہے کہ محمد بن زید نے اس اندھی عورت کو گھر میں دیکھا کہ وہ دیوار کا سہارا لے کر چلتی تھی اور کہتی تھی کہ مجھ پر محمد بن زید رضی اللہ عنہ کی بد دعا ہے اور وہ گھر کے کنویں پر گزری اور اس میں گر پڑی اور وہ کنواں اس کے لیے قبر بن گیا۔ علیحدہ سے اس کی قبر نہ بنائی گئی۔

مظلوم شخص بد دعا کر سکتا ہے، ایسے پاک طیعت وطبیعت نفوس قدسیہ پر جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں تو وہ بد دعا کرتے ہیں تاکہ دنیا کے دیکھ لے کہ کون ظالم ہے؟ اور اللہ ذوالقہار نے دنیا میں مظلوموں کی بد دعائیں قبول کر کے دنیا میں قیامت تک کے لیے اپنے پاک ومطہر بندوں کی بے گناہی کا ثبوت چھوڑ جاتے ہیں۔

فاعتبروا یا أولی الأبصار! آج کل جھوٹ ومکر وفریب سے زمینیں اور جائیدادیں ہڑپ کرنا نارمل بات بن چکی ہے۔ اس لیے کہ نہ انہیں اللہ کا ڈر ہے، نہ موت کا اور نہ ہی قبر وحشر کا۔ العیاذ باللہ

آپ بیتی

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

ڈاکٹر صہیب حسن (لندن) (قسط 15)

افتتاحیہ

ان سطور کی ابتداء میں نے کینیا سے لندن آمد یعنی جولائی 1976ء سے کی تھی اور خیال تھا کہ تاریخی تسلسل کے ساتھ زندگی کے اہم واقعات بیان کرتا چلوں گا۔ اب تک تیرہ اقساط صراط مستقیم کے صفحات پر جلوہ افروز ہو چکی ہیں۔ ان میں چار وہ مزید مضامین ہیں جو جامعہ اسلامیہ کا ایک تعلیمی سال کے عنوان سے جامعہ میں میرے سال دوم (1963ء) کی روئداد پر مشتمل ہیں۔ یعنی تاریخی تسلسل قائم نہیں رہ سکا۔ کئی ایسے واقعات، سفر ناموں اور یادرفتگاں کا تذکرہ بھی قلمبند ہوتا گیا جو بہت بعد کے ایام سے متعلق تھے لیکن موقع محل کی مناسبت سے تحریر میں آتے گئے۔ اب چاہتا ہوں کہ دوبارہ رشتہ کلام 1983ء سے شروع کروں کہ جہاں تک میں اپنے ماضی میں جھانک چکا تھا۔

واضح رہے کہ میں اپنی روز مرہ، ہفتہ وار یا ماہوار مصروفیات کا ذکر کر کے قارئین کی سماعت (یا نظر وبصارت) پر زیادہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا ہ یہ ساری مصروفیات ایک طالب علم، ایک داعی الی اللہ، ایک امام یا ایک مبلغ کے جزوحیات کی سی حیثیت رکھتی ہیں اور جن میں درس وتدریس، مسلم قیدیوں سے جیل میں ملاقات، وہاں جمعہ کا اہتمام، مساجد، کالجوں، یونیورسٹیوں میں تقاریر، قرآن سوسائٹی کے زیر سایہ دروس کی طباعت و اشاعت، ملک بھر میں دار الافتاء کے ایماء پر مساجد و مراکز کا دورہ، ان کی ضروریات، تعمیر وترقی کے بارے میں معلومات کا حصول، جمعیت اہل حدیث اور شریعت کونسل کے اجلاسوں میں شرکت اور دوسری متعدد مصروفیات شامل رہیں۔

البتہ اتنا ضرور چاہوں گا کہ ہر سال کے اہم واقعات کے اختتام پر 'متفرقات' کے عنوان سے چند سطروں میں تاریخی ریکارڈ کے طور پر کسی تنظیم کے قائم ہونے یا کسی مشہور شخصیت کے شریک محفل ہونے کا تذکرہ کرتا چلوں جو قارئین کی دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہوں۔ معلوماتی اعتبار سے یا اپنی ندرت اور انوکھے پن کی وجہ سے اور اس ضمن میں کئی شخصیات کا تذکرہ بھی آتا رہے گا، وہ بھی جو زمرہ مشاہیر میں آتے ہیں اور وہ بھی جن سے دوستی اور گہرے تعارف کا شرف حاصل رہا۔

اور اسی عزم کے ساتھ میں اس قسط کا آغاز کر رہا ہوں جس میں سر فہرست ہے:

'التوعیۃ الاسلامیہ فی الحج'

یہ سال 1982ء سے متعلق ہے اور چونکہ اس ادارے کی نسبت سے میں اس سال کے بعد عرصہ دراز تک اس کمیٹی کی دعوت پر مکہ مکرمہ جاتا رہا، اس لیے آئندہ بھی اس کا ذکر خیر آتا رہے گا۔ کوشش کروں گا کہ واقعات کے بیان میں تاریخ کا تسلسل قائم رہے۔

التوعیۃ الاسلامیہ فی الحج

شیخ عبد العزیز بن باز کی حسنات میں سے اس ادارے کا قیام ہے، جسے مذکورہ بالا نام دیا گیا، یعنی حج کے دوران اسلامی تعلیمات سے آگاہی کا ادارہ

ہر سال حج کے دوران دنیا کے اطراف واکناف سے لاکھوں لوگ فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے تشریف لاتے ہیں تو کیوں نہ ان کی موجودگی کا فائدہ اٹھایا جائے اور انہیں عموماً اسلام کی تعلیمات سے اور بالخصوص حج کے مسائل سے آگاہ کیا جائے؟

یہ وہ مقصد تھا کہ جس کی خاطر یہ ادارہ قائم کیا گیا۔ جامعہ کے اولین فارغین میں سے شیخ جابر احمد مدخلی کو اس ادارہ کا سربراہ بنایا گیا۔ مکہ، جدہ، مدینہ میں اس کے مراکز قائم کئے گئے اور نہ صرف سعودیہ کے علماء بلکہ دوسرے ممالک سے بھی ایسے علماء، دعاۃ اور مبلغین کو دعوت دی گئی جو مملکت کی جامعات سے فیض یافتہ ہوں یا ثاقب فکر اور عقیدہ سلیم رکھتے ہوں۔

مجھے غالباً ہجری سال 1401 (1981ء) سے مدعو کیا جانے لگا، 1982ء کی یادداشتیں میرے پاس محفوظ ہیں۔

کوشش کروں گا کہ انہیں اختصار کے ساتھ بیان کرتا چلوں، یہ سطور چونکہ 2023ء میں تحریر کی جارہی ہیں اور اب اس ادارے کا وجود بھی باقی نہیں اور خود میں بھی 2004ء کے بعد سے اس ادارے کی کاروائیوں میں شریک نہیں رہا۔

اس لیے مناسب سمجھتا ہوں کہ سال بسال کی یادداشتوں کو بالترتیب قلمبند کرتا جاؤں۔ آغاز 1982ء سے کرتا ہوں۔

مجھے جدہ کی بندرگاہ سے متعلق مرکز سے وابستہ کیا گیا تھا، قیام شہر میں ایک مکان میں تھا لیکن سارا دن بندرگاہ کے قریب حج کیمپ میں عارضی طور پر مقیم حاجیوں میں گذرتا تھا۔

میرے دوستوں اور شناسا ساتھیوں میں یہ حضرات شامل تھے، برازیل سے احمد محایری، فتح الدین تنکل

(کینیا)، حافظ ثناء اللہ (لاہور)، ان کے علاوہ نائیجیریا، گھانا، بنگلہ دیش کے ساتھی شامل تھے، ہمارے رئیس شیخ صالح غانم السدلان تھے اور مشائخ میں سے ریاض کے شیخ فہد الذکری تھے۔

چونکہ بندرگاہ ہر دن مصروف عمل نہ تھی، اس لیے چند دن جدہ ائیرپورٹ کی مسجد میں بھی گذرے کہ جہاں ہوائی جہاز سے حاجیوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔

اس کیمپ کے صدر شیخ سعود البشر تھے اور ان کے ساتھ چند مقامی ائمہ اور پاکستان، بنگلہ دیش، سری لنکا کے چند فارغین بھی تھے، ان دو جگہوں کے علاوہ ہمارے کام کا دائرہ بسوں کے اڈے اور قبر سیدنا حوا تک پھیلا ہوا تھا۔

جن مساجد میں خطاب کا موقع ملا ان میں مسجد رضا (بغدادیہ)، مسجد الوالدین، مسجد الامیر عبد اللہ سلمان اور مسجد مدینۃ الحجاج شامل ہیں۔

دوران حج جن دوستوں، احباب اور اہل علم سے ملاقات رہی، ان کے اسماء گرامی کا ذکر کیے دیتا ہوں۔ ڈاکٹر صالح الفوزان، شیخ صالح (نابینا)، احمد سہلی، سلیمان شبانہ، محمد حسن الدریعی، مصطفیٰ برہام، ڈاکٹر محمود غازی (مصر)، میرے لندن کے رفیق ڈاکٹر الدورش، اسماعیل الخطیب (تطوان، مراکش)، ڈاکٹر مقتدیٰ ازہری (ہندوستان)، میرے یوگنڈا اور پھر کینیا کے رفیق سراج الرحمٰن ندوی، عبد اللہ یاسین، الشیخ سیلا، ڈاکٹر خدیم امباکی (سینگال)، دار الافتاء میں الدعوۃ فی الخارج کے مدیر شیخ محمد بن قعود، شیخ اسماعیل بن عتیق، روڈیشیا میں ہمارے رفیق عبد الرحمٰن مبارکپوری، ہمارے جامعہ کے استاد محمد شقرہ، شیخ احمد صالح، تاج الدین شعیب، حیدر ملیباری، کینیا کے ایک پرانے ساتھی محمد مسلّم۔

جن نئے رفقاء سے تعارف ہوا:

ہالینڈ کے مبعوث سفیان ثوری، جن کا تعلق انڈونیشیا سے ہے، شیخ عبد الرحمٰن یعقوب، التوعیہ کے میگزین کی مجلس ادارت کے رکن، اصلاً مصر سے ہیں اور مصر ہی کے شیخ عبد اللطیف بدر جو امارات میں مبعوث کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں، ہم نے پورا ایک ماہ بشمول ادائیگی حج حجاز مقدس میں گذارا۔

8 اکتوبر 1982ء کو جیزان کا ایک مختصر سفر رہا، جہاں کینیا اور یوگنڈا میں مبعوثین کے مدیر شیخ احمد عبدہ مدخلی سے ملاقات مقصود تھی۔

1983ء کا حج میری ڈائری میں جگہ نہ پا سکا، البتہ 1984ء (1404ھ) کے حج کی چند جھلکیاں پیش خدمت ہیں۔

18 اگست (20 ذوالقعدہ) کو میں مکہ مکرمہ پہنچا۔ عمرہ کی ادائیگی سے فارغ ہونے کے بعد الششہ (مکہ) میں توعیہ اسلامیہ کے دفاتر کے قریب اپنی رہائش گاہ کا رخ کیا۔

اس دفعہ حرم مکی میں فجر اور مغرب کے بعد حاجیوں سے مخاطب ہونے کا موقع دیا گیا لیکن تین دن کے بعد ہی سرکاری ہدایات موصول ہو گئیں کہ حرم میں صرف سعودی علماء ہی کو خطاب کی اجازت ہو گی، چنانچہ حرم کے اردگرد کی مساجد میں غیر سعودیوں کو خطاب کرنے کے لیے متعین کر دیا گیان۔ جن مساجد میں مجھے خطاب کا موقع ملا، ان کے نام ذکر کیے دیتا ہوں۔

- مسجد شامیہ (ایک دفعہ)
- مسجد خضرا (دو مرتبہ)
- مسجد البرید (دو مرتبہ)
- مسجد الجن (ایک دفعہ)
- مسجد الملک (ایک دفعہ)

خطاب کے علاوہ حرم کے قریب ایک چوکی سے حاجیوں میں کتب کی تقسیم اور کبھی کبھار دستی مائیکروفون سے حاجیوں کو خطاب کرنے کے فرائض بھی سرانجام دیئے۔

ہماری رہائش گاہ شِشہ سے کچھ فاصلے پر عزّۃ کی ایک بلڈنگ میں تھی۔

یہاں کوئی تیس کے قریب مبلغین کا قیام تھا، ان میں سرفہرست تھے ڈاکٹر عبد اللہ بن زاید اور ہندوستان سے مولانا مختار ندوی۔

حج کے دوران منیٰ، عرفات، پھر مزدلفہ اور منیٰ کے قیام کے دوران حاجیوں سے متعلق اپنے فرائض کو انجام دیا۔

18 ذوالحجہ (13 ستمبر 1984ء) کو ہماری ڈیوٹی کا آخری دن تھا، 20 ذی الحجہ کی دوپہر امام حرم مکی شیخ عبد اللہ بن سبیل اور ان کے لائق وفائق صاحبزادے شیخ عمر کے دولت کدہ پر ظہرانہ تناول کیا۔ اگلے دن شیخ ابن باز کے خاص الخاص سیکرٹری، ان کے ابن عم عبد العزیز ناصر سے بھی ملاقات رہی۔ جدہ کی بندرگاہ پر ہمارے پرانے استاد اور مربی عبد الوہاب البناء کی ڈیوٹی تھی۔ اپنے برادر اکبر شعیب حسن اور برادر نسبتی یحییٰ کے ساتھ بندرگاہ کی مسجد جامع میں ان سے ملاقات لیے حاضر دی، وہاں برادرم صغیر احمد شاغف بھی موجود تھے اور پھر اگلے دن (18 ستمبر) کو لندن واپسی ہوئی۔

افتتاح مکتب رابطہ عالم اسلامی

رابطہ عالم اسلامی کے صدر دفتر مکہ مکرمہ سے جناب ہاشم مہدی مدیر بن کر تشریف لائے، کچھ ماہ انہوں نے عزیز پاشا کے مرکز بمقام (Notting Hill) میں اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں اور پھر وسط لندن میں گوج سٹریٹ کے قریب Pitman کالج کی چار منزلہ عمارت خرید کر اس میں رابطہ کے دفاتر قائم کیے، ایک فلور مسجد کے لیے مختص کیا اور اسی فلور پر ایک کمرہ دارالافتاء (یعنی ہمارے لیے) بھی مخصوص کر دیا۔

21 اکتوبر 1983ء کو شیخ متولی الشعراوی کے خطبے کے ساتھ رابطہ کی مسجد کا افتتاح ہوا۔ اگلے دن ڈاکٹر عمر نصیف کے دست مبارک پر رابطہ کے دفاتر کا افتتاح کیا گیا اور پھر اس سے اگلا جمعہ (28/ اکتوبر) قائم کرنے کا شرف مجھے حاصل ہوا اور میرے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ میں ہر ماہ پابندی سے ایک جمعہ پڑھاتا رہا ہوں اور ان سطور کی تحریر کے وقت (اپریل 2023ء) مجھے 39 سال سے اللہ عزوجل نے مجھے اس خدمت کو بجالانے کا موقع عطا فرمایا ہے، یعنی اب چالیسویں سال میں داخل ہو چکا ہوں، اتنی طویل مدت اس مسجد میں کسی اور خطیب کو حاصل نہیں رہی ہے۔ وذالك فضل الله يؤتيه من يشاء

عدالت میں ایک گواہی

25 نومبر 1983ء: ایک بنگلہ دیشی مسلمان سے واروڈ اسکرب جیل میں تعارف حاصل ہوا تھا کہ جہاں میں ہر جمعہ کو باقاعدہ جایا کرتا تھا اور مسلم قیدیوں کو جمعہ کی نماز میں شریک کر لیا کرتا تھا۔ یہ شخص اس بنا پر جیل میں تھا کہ اس پر اپنی ہی بیٹی کو بنگلہ دیش لے جانے کے لیے اغوا کرنے کا الزام تھا۔ وہ دراصل یہ دیکھ کر کہ بچی لندن کے ماحول میں ہے بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے، اسے اپنے وطن واپس لے جارہا تھا کہ اسے اغوا کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا۔

اس کی خواہش تھی کہ میں اس کی اگلی پیشی پر عدالت میں اس کے حق میں گواہی دوں اور یہ کہ والدین کو اپنی ہی اولاد کو اسلام کے مطابق تعلیم وتربیت دینے کا حق حاصل ہے، اور اس کا یہ فعل کہ وہ اپنی بچی کو اپنے ہی وطن لے جارہا ہے، اغوا کی تعریف میں نہیں آتا، یہ گواہی دراصل ایک ماہر فن (Expert) کی گواہی کے طور پر عدالت کے روبرو پیش کی جاتی ہے، چنانچہ میں نے اولڈ بیلی کی عدالت میں انہی خطوط کے اوپر متعلقہ موضوع کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو پیش کیا۔ اب مجھے یاد نہیں کہ عدالت نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا، اسے بری کر دیا گیا یا اسے سزا دی گئی!!

متفرقات (1982ء اور 1983ء)

1۔ عبد السلام ابو شخیدیم کا بحیثیت معبوث استقبال کیا، وہ فلسطین سے تعلق رکھتے تھے اور دار الافتاء کی طرف سے معبوث ہو کر آئے تھے۔ وہ نیو کاسل اور ساؤتھ شیلڈ کی عرب یمنی کمیونٹی کے ساتھ دعوت وتبلیغ کے کام میں مصروف ہو گئے۔

2۔ سوڈان کے عصام البشیر کا تعلق بھی دار الافتاء سے رہا اور اس طرح ان سے تعارف حاصل ہوا۔

3۔ 2 فروری 1983ء: مولانا یوسف اصلاحی نے یوکے اسلامک مشن کے زیر اہتمام ایک اجلاس سے خطاب کیا۔

4۔ 3/مارچ سے 8/ اپریل 1983ء تک برادرم محمود احمد کے ساتھ دو گاڑیوں میں ڈنمارک کا سفر رہا۔

5۔ 30 اپریل 1983ء: عزیزم اسامہ (عمر گیارہ سال) نے گھر میں اپنی والدہ کی زیر نگرانی اور قاری خلیل الحصری کی ٹیپ کے توسط سے قرآن حفظ کر لیا تھا۔ ہم نے اس خوشی میں ایک دعوت کا اہتمام کیا جس میں اسی کے قریبی احباب نے شرکت کی۔

6۔ 11/جولائی 1983ء: دار الرعایہ میں سید متولی الدرش، امام مرکزی مسجد ریجنٹ پارک نے عید کی پہلی نماز پڑھائی اور پھر میں نے دوسری نماز کی امامت کرائی۔

7۔ 17/جولائی 1983ء: جمعیت اہل حدیث کی طرف سے لی برج روڈ کے ایک ریستوران میں عید پارٹی رکھی گئی، جس میں ڈاکٹر الدرش اور ریاض سے آئے ہوئے ہمارے نابینا مہمان ڈاکٹر محمد احمد صالح خصوصی مہمان تھے۔

8۔ 10/نومبر سے 15 نومبر 1983ء: برادرم محمود احمد اور سید الدرش کے ساتھ برلن (جرمنی) کا سفر کیا۔ تفصیل پچھلی ایک قسط میں آچکی ہے۔

☆☆☆

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی ”یارسول اللہ ﷺ! میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ بادل سے گھی اور شہد ٹپک رہا ہے اور لوگ اس سے اپنے ہاتھوں کے لپ میں لے رہے ہیں کوئی کم لیتا ہے اور کوئی زیادہ!“ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا ”یارسول اللہ ﷺ! میرا باپ آپ ﷺ پر قربان واللہ! مجھے اس خواب کی تعبیر بیان کرنے کی اجازت دیجئے۔“ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”اچھا! بتاؤ۔“ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ”بادل تو اسلام ہے اور بادل سے ٹپکنے والے گھی اور شہد سے مراد قرآن مجید کی حلاوت اور شیرینی ہے اور کم یا زیادہ حاصل کرنے سے مراد قرآن مجید کم یا زیادہ یاد کرنا ہے۔“ (صحیح مسلم: 5928)

سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے مؤمن کی مثال میٹھے لیموں کی سی ہے اس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی اچھی ہے قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے والے مومن کی مثال کھجور کی سی ہے اس کا ذائقہ تو اچھا ہے لیکن خوشبو نہیں ہے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے گنہگار آدمی کی مثال ریحان کی سی ہے جس کی خوشبو اچھی ہے لیکن ذائقہ کڑوا ہے اور قرآن مجید کی تلاوت نہ کرنے والے گناہ گار کی مثال اندرائن (کڑوے پھل کا نام) کی سی ہے جس کا ذائقہ بھی کڑوا ہے اور خوشبو بھی نہیں ہے۔“ (صحیح بخاری: 5025)

☆☆☆



بنی اسرائیل کی دوسری بار آبادکاری

اس میں کوئی شک نہیں کہ اسرائیلیوں میں جہاں بہت سے بدکار تھے وہاں ان کے اندر ایک گروہ خیر سے محبت کرنے والا بھی رہا ہے اسی لیے حق تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَ هُمْ يَسْجُدُوْنَ0 يُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾

”کہ سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں۔ راتوں کو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں اور اس کے آگے سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے۔“(آل عمران: 113-114)

انیٹوکس چہارم (175ق۔ م) کے دور میں اسرائیلیوں کے اندر سے ایک اصلاحی تحریک اٹھی جسے تحریک مکابی کہا جاتا ہے۔۔ اس مکابی تحریک کے باعث رحمت الٰہیہ نے ان کی ایک بار پھر یاوری کی اور پچاس سال کے اندر اندر حالات نے پلٹا کھایا اور بابل کی سلطنت کو زوال ہوا۔ صالحین کی مسلسل کوششوں اور توبہ وانابت الی اللہ کی دعوت سرگرمی کے ساتھ شروع ہوگئی۔ جس سے بنی اسرائیل میں ایک بار پھر نیکی کا غلبہ بڑھ گیا۔ جس کی برکت سے اللہ عزوجل نے انہیں دنیوی طور پر بھی خوشحال کر دیا۔ اور دینی طور پر بھی۔ اس تحریک کی کامیابی کی وجہ سے یونانی مغلوب ہوگئے اور مکابیوں نے سلطنت سنبھال لی۔

سورہ الاسراء میں فرمایا:

﴿ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيرًا 0 إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ ۖ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ﴾

”پھر ہم نے ان پر تمہیں غلبہ دے کر تمہارے دن پھیرے اور مال اور اولاد سے تمہاری مدد کی اور تمہاری تعداد بڑھادی۔ اگر تم نے اچھے کام کیے تو خود اپنے ہی فائدہ کے لیے، اور اگر تم نے برے کام کیے تو بھی اپنے لیے۔“ (سورہ بنی اسرائیل: 6-7)

بنی اسرائیل کے پھلنے پھولنے کا یہ دور جاری رہا۔ تا آنکہ شاہ فارس ۔۔۔ سائرس اعظم ۔۔۔ نے بخت نصر کو شکست دے کر بابل کو فتح کرلیا اور بنی اسرائیل کو فلسطین واپس جانے کی اجازت دے دی۔ اب اسرائیلیوں نے بیت المقدس کو دوبارہ تعمیر کرنے کا پروگرام بنایا لیکن ہمسایہ قومیں جو اس علاقے میں آکر آباد ہوگئی تھیں مزاحمت کرتی رہیں اور بیت المقدس یا مسجد اقصی دوبارہ تعمیر نہ کی جاسکی۔ خسرو کے بعد نئے ایرانی بادشاہ ”دارا“ نے یہودیہ کے آخری بادشاہ کے پوتے ” زروبابل“ کو یہودیہ کا گورنر مقرر کیا۔ 445ق م میں نحمیاہ کی زیر قیادت ایک اور جلاوطن گروہ یہودیہ واپس آیا اور شاہ ایران نے نحمیاہ کو یروشلم کا حاکم مقرر کردیا تھا اور اس نے اپنے زمانے کے مرد صالح جناب زکریا (یہ زکریا نبی کے علاوہ ہیں) کی معاونت سے بیت المقدس کو نیا تعمیر کیا۔

اور بیت المقدس اور شہر کے گرد فصیل بنانے کا حکم دیا۔ اس طرح یروشلم شہر ڈیڑھ سو سال بعد دوبارہ آباد ہوا۔ (غالباً یہ وہ دور ہے جس کا ذکر سیدنا عزیر علیہ السلام کے ایک سو سال تک سوئے رہنے کے بعد بیدار ہونے تک کا ہے)۔ لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد ایرانی سلطنت کا زوال شروع ہوگیا۔

یونانی سکندر اعظم کی حکمت عملی اور فوجی طاقت نے ہر طرف فتوحات کے جھنڈے گاڑ دیے اور یونانیوں کو ایرانیوں کی جگہ اقتدار حاصل ہوگیا۔ لیکن سکندر اعظم کی 33 برس کی عمر میں ہندوستان سے واپسی پر اچانک وفات ہوگئی، جس سے اس کی سلطنت تین حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک حصہ سلجوقی سلطنت کہلایا جس کے حصے میں شام کا علاقہ آگیا اور اس کا دارالحکومت انطاکیہ بنا۔ اس کے فرمانروا انٹیوکس ثالث نے 198ق م۔ میں فلسطین کا کنٹرول حاصل کرلیا۔ یہودیوں کے مذہب سے اس بادشاہ کو سخت نفرت تھی اس نے جبراً یہودیت میں شرک داخل کردیا۔

قوم یہود کافی عرصہ اس کے دباؤ کے تحت زندگی گزارتی رہی۔ یہ غالباً 458ق، م کی بات ہے۔ اب ملک فارس کا مسند نشین ”اردشیر“ تھا۔ اس نے سیدنا عزیر نبی کی بڑی عزت افزائی کی اور ان کو خدا کی شریعت کو نافذ کرنے کے اختیارات دیے۔ چنانچہ سیدنا عزیر نے بڑا تعمیری کام کیا۔ انہوں نے بنی اسرائیل کا مذہبی سرمایہ مرتب کیا۔ تورات کے بکھرے ہوئے اجزا کو ایک کتاب میں جمع کیا۔ اس وجہ سے ان کی بنی اسرائیل میں بڑی عزت بن گئی، حتی کہ یہود انہیں خدا کا بیٹا تک کہنے لگ گئے۔ (سورۃ التوبہ: 30)

بنی اسرائیل اور ہیکل سلیمانی کی دوسری تباہی

سورہ بنی اسرائیل میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

” پھر جب دوسرے وعدے کا وقت آیا تو ہم نے دوسرے دشمنوں کو تم پر مسلط کردیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں اور اس مسجد القدس میں اسی طرح

گھس جائیں جس طرح پہلی والے داخل ہوئے تھے اور جس چیز پر قابو پائیں اسے توڑ پھوڑ کر تباہ کر دیں۔"

مکابی تحریک کی نام نہاد مذہبی حلقوں نے بھی سخت مخالفت کی اور جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے نیک اور اصلاح کا کام کرنے والوں کے راستے میں بے شمار روکاوٹیں کھڑی کی جاتی ہیں اسی طرح اب بھی ہوا اور بنی اسرائیل بداعمالیوں اور اخلاقی گراوٹ میں حد سے بڑھ گئے۔ تب بنی اسرائیلیوں کی بداعمالیوں کی نحوست پھر ظاہر ہونا شروع ہوگئی۔ جس کا نتیجہ یروشلم اور بیت المقدس کی تباہی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ کچھ عرصہ بعد انہی کے درمیان پھوٹ پڑگئی اورانہوں نے خود رومی فاتح پومپئی کو فلسطین پر حملہ کرنے کی دعوت دے ڈالی۔ چنانچہ پومپئی نے 63ق م میں بیت المقدس پر قبضہ کرلیا۔

یاد رہے کہ رومی فاتحین کی پالیسی تھی کہ وہ مفتوح علاقوں پر مقامی حکمرانوں کے ذریعے نظم ونسق چلایا کرتے تھے۔ انہوں نے 40ق م میں ایک ہوشیار یہودی ہیروڈیس کو حکمران مقرر کردیا جو 36سال تک حکمران رہا۔ اسی کے زمانے میں بیت المقدس کی تعمیر نو کی گئی۔ شہر کو منظم کیا گیا۔ لیکن سیدنا عیسی علیہ السلام کی ولادت سے چار سال پہلے اس کی موت ہوگئی۔ (اس کے نام سے یروشلم کا ایک دروازہ بھی منسوب ہے)ہیروڈیس کے بعد اس کی ریاست تین حصوں میں تقسیم ہوگئی۔

اس کا ایک بیٹا ارخلاؤس 6عیسوی تک حکمران رہا۔ کیونکہ قیصر آرگسٹس نے اس کو معزول کرکے اس کی پوری ریاست اپنے گورنر کے ماتحت کرلی تھی۔ اور 41عیسوی تک یہی انتظام رہا۔

یہی زمانہ تھا جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی اصلاح کے لیے اٹھے اور حسب روایت یہودیوں کے تمام مذہبی پیشواؤں نے مل کر ان کی مخالفت کی اور رومی گورنر پونتس پیلاطس سے ان کو سزائے موت دلوانے کے احکامات حاصل کرلیے۔

ہیرود کا دوسرا بیٹا" ہیرود اینٹی پاس" شمالی فلسطین کے علاقہ گلیل اور شرق اردن کا مالک ہوا اور یہی وہ شخص ہے جس نے ایک رقاصہ کی فرمائش پر سیدنا یحییٰ علیہ السلام کا سر قلم کرکے اس کی نذر کیا۔ اس کا تیسرا بیٹا فلپ "کوہ حرمون" سے دریائے یرموک تک کے علاقے کا مالک ہوا۔ وہ رومی تہذیب میں ازسرتاپاڈوبا ہوا تھا۔ 41عیسوی میں ہیرودڈاعظم کے پوتے "ہیروداگرپا" کو رومیوں نے پورے علاقے کا حاکم مقرر کردیا جن پر اس کے دادا کی حکمرانی تھی۔

66عیسوی میں "ہیروداگرپا" کے خلاف بغاوت ہوگئی اور 70ء میں ٹیٹوس نے بزور شمشیر یروشلم کو فتح کرلیا اور اہل فلسطین کا قتل عام کیا۔ جس میں ایک لاکھ 33 ہزار افراد قتل ہوگئے اور 67ہزار غلام بناکر تھیٹروں میں بھوکے شیروں کے پنجوں سے بھنھوڑے جانے کے لیے مختلف علاقوں میں بھیج دیے گئے اور یروشلم کے شہر اور ہیکل کو مسمار کرکے پیوند خاک کردیا گیا (اس تباہی میں صرف دیوار کا یہ حصہ باقی بچا جسے اب یہودی ہیکل سلیمانی کی دیوار بتاتے ہیں)اور فلسطین سے یہودی اثر واقتدار ایسا مٹا کہ دوہزار برس تک اس کو پھر سر اٹھانے کا موقع نہ ملا۔

اور یروشلم کا مقدس ہیکل پھر کبھی تعمیر نہ ہوسکا۔ بعد میں رومیوں کے بادشاہ قیصر ہیڈریان نے اس شہر کو دوبارہ آباد کیا مگر اب اس کا نام بیت المقدس نہیں بیت ایلیا تھا (بیت ایلیا یا تو بیت المقدس یا بیت اللہ کا ترجمہ تھا یا پھر فلسطین میں صدیوں سے آباد قوموں کے سب سے بڑے معبود تھا "ایل" کے نام پر تھا۔ یہ دیوتاؤں کا باپ تھا اس کی بیوی کا نام عشیرۃ تھا۔ اور اسی سے خداؤں اور خدانیوں کی ایک پوری نسل چلی تھی جن کی تعداد 70تک پہنچتی تھی۔ عراق کا مشہور معبود 'بعل' بھی اسی کی اولاد تھا۔ لیکن بعض مورخین کے مطابق بیت ایلیا سے مراد بیت اللہ کیونکہ ایل بمعنی اللہ بھی عبرانی زبان میں سمجھا جاتا ہے جیسے اسماعیل اللہ کا بندہ وغیرہ بہر حال اسی بیت ایلیامیں مدتہائے درازتک یہودیوں کو داخلے کی اجازت نہ تھی ۔۔۔ یہ تھی وہ سزا جو بنی اسرائیل کو دوسرے فساد عظیم کی پاداش میں ملی۔

بنی اسرائیل کی اس تاریخ سے ثابت ہوا کہ جس ہیکل سلیمانی یا مسجد اقصی کو سیدنا داؤد علیہ السلام اور سیدنا سلیمان علیہ السلام نے تعمیر کیا تھا وہ توبخت نصر کے ہاتھوں مکمل طور پر تباہ ہوگیا تھا اور ہیروڈیس کے زمانے میں دوبارہ تعمیر کیا گیا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے رفع الی السماء کے بعد 70 سال تک اس کی تعمیر کردہ مسجد اقصیٰ یا ہیکل کی بلڈنگ قائم رہی۔ تاآنکہ رومیوں نے فلسطین پر چڑھائی کردی اوراور تقریباً 600(چھ سو) سال بعد طیطوس نے سارا ہیکل تباہ کردیا۔ صرف ایک دیوار بچی رہی تھی۔ یہودی اس ہیروڈیس کی بنائی ہوئی دیوار کے سامنے جاکر روتے اور یہودی دور کی یادیں تازہ کرتے ہیں۔ اس تباہی کے 540سال بعد جب رحمت للعالمین معراج کے لیے تشریف لائے تو اسی دیوار کے دروازے سے داخل ہوئے اور اسی کے ساتھ اپنی سواری کے جانور "براق" کو باندھا تھا۔ تب سے اسے دیوار براق کہا جاتا ہے۔

کسی نبی نے مندر، سینی گاگ یا ہیکل نہیں بنایا

ایک اور بات بھی قابل لحاظ ہے کہ انبیاء کرام زمین پر اللہ کے نمائندہ ہوتے تھے۔ وہ جو عبادتگاہ بھی بناتے تھے وہ مسجد ہوا کرتی تھی جہاں خالق حقیقی کے سامنے سربسجود ہوا جاتا تھا۔ اور اس کا نام مسجد ہی ہوتا تھا ہیکل یا مندر یا سینگاگ ہرگز نہیں ہوتا تھا۔ سیدنا داؤد وسلیمان سے پہلے یعقوب نبی نے یہاں مسجد تعمیر کی (جیسا کہ صحیح بخاری میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ سب سے پہلی مسجد روئے زمین پر کونسی باقاعدہ تعمیر کی گئی تو فرمایا کعبۃ اللہ، پوچھا گیا اس کے بعد؟ تو آقا علیہ السلام نے جواب دیا مسجد اقصی۔ پوچھا گیا ان دونوں کے درمیان کتنا عرصہ تھا فرمایا چالیس سال۔ ظاہر ہے سیدنا داؤد علیہ السلام وسیدنا سلیمان علیہ السلام نے مسجد کی جگہ کس طرح ہیکل بنالیا یہ ناممکن ہے۔

تو اصل بھی مسجد ہی تھی، بعد میں بھی مسجد ہی بنائی گئی اور اسی کا نام مسجد اقصی ہے، یہی مسجد دو دفعہ یہود کی بدعہدی کی وجہ سے منہدم کی گئی ، ہیکل ، مندر، گردوارہ یا سینیگاگ وغیرہ کا کوئی تصور تھا نہ رہا ہے۔

بہرحال یہود اس دیوار کو سیدنا سلیمان علیہ السلام کی تعمیر

سمجھتے ہیں اسی لیے وہاں آکر اس دور ہمایوں کے چھن جانے پر روتے ہیں۔ بلکہ اسی دیوار کو اتنا مقدس جانتے ہیں جس طرح اہل ایمان حج کرنے بیت اللہ جاتے ہیں اسی طرح تقدس و تبرک کے لیے یہودی یہاں آتے ہیں۔ اس کے قریب ہی یہودیوں کا مقدس ترین سینا گاگ ہے جس کو بنیادی پتھر کہاجاتاہے زیادہ تر یہودی ربیوں کے مطابق اس پتھر کے اوپر کوئی یہودی پیر نہیں رکھ سکتا اگر کوئی ایسا کرے تو اس پر عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ بہت سے یہودیوں کے مطابق وہ تاریخی چٹان جس پر قبۃ الصخراء واقع ہے مقدس بنیادی پتھر وہی ہے۔ جبکہ کچھ یہودیوں کے عقیدے کے مطابق یہ مقدس بنیادی پتھر دیوار گریہ کے بالکل مخالف سمت میں واقع "الکاس آبشار" کے نزدیک ہے۔

یہودی لوگ یہاں اپنی معافی کی درخواستیں ٹانکتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ اللہ میاں ان کی یہاں رکھی ہوئی درخواستیں خود ملاحظہ کرتا ہے اور انہیں قبول فرماتا ہے۔ گزشتہ سال امریکی صدر ٹرمپ نے اعلان کیا کہ اب امریکی سفارتخانہ تل ابیب کی بجائے یروشلم میں منتقل کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کی بیٹی ایک یہودی کے ساتھ بیاہی ہوئی ہے اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی خاطر ٹرمپ نے اتنا بڑا قدم اٹھایا جس کے نتیجے میں کئی جانیں ضائع ہوئیں۔ پوری دنیا میں احتجاج ہوا لیکن اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ یہ خود بھی جب دیوار گریہ کے وزٹ کے لیے گیا تو اس نے بھی وہاں اپنی معروضات کو ایک پیپر پر لکھ کر اس دیوار پر اٹکا دیا تھا۔ اس دیوار پر جگہ جگہ عرضیاں لٹکی ہوئی پائی جاتی ہیں۔ نیز یہود یہاں آکر روتے بھی ہیں۔ اور ہل ہل کر کچھ دعائیں پڑھتے ہیں۔

آیئے آپ کو دیوار براق کی سیر کراتے ہیں

تاریخ کے اس سنگین تذکرے کے بعد اب آیئے کچھ یادیں پیارے آقا علیہ السلام کے قدوم میمنت نواز کے حوالے سے بھی ہو جائیں اور اس مہک سے مشام جان معطر کرلیں، بادِصبا کے جھونکوں سے اپنی روح کو بھی سرشار کرلیں۔ یروشلم۔۔۔ سرزمین اسلام۔۔۔ کے مقدس علاقہ میں جہاں سوا ڈیڑھ لاکھ انبیاء کرام کی ولادت ہوئی، جس کے ایک ایک چپے سے تاریخ کو لاکھوں ہیرے جواہرات ہاتھ آئے، مگر بے قدرے لوگوں نے ان کی اہانت میں کوئی دقیقہ نہیں بھلایا۔ جہاں انبیاء و صلحا کی سانسیں مہکتی رہیں جہاں کے گوشے آل عمران کی پاکباز بچی مریم کی عبادت واخلاص سے منور ہوتے رہے جہاں اللہ کے خاص بندے زکریا نے آہ صبحگاہی سے تقدیر کے آسمان کو ہلا کر رکھ دیا اور جہاں میرے حبیب سید الملائکہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام کی معیت میں براق پر قدم رنجا فرما ہوئے اسی جگہ سے آپ کا معراج جسمانی شروع ہوا تھا۔۔۔ یہ وہ علاقہ ہے جہاں میں اپنے چند رفقاء کے ساتھ جسم و جان کو حاضر کر کے بیٹھا ہوں اسے مسجد براق کہتے ہیں۔

اس دیوار گریہ کے پیچھے والا حصہ دیوار براق کہلاتا ہے جیسا کہ عرض کیا گیا۔ گہرائی میں جاکر چھوٹی سی علامتی مسجد بنی ہوئی ہے جہاں نماز با جماعت نہیں ہوتی اور دیوار کے درمیان علامت کے طور پر ایک کڑا لگایا ہوا ہے، جس کے بارے میں مشہور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ براق کو باندھا تھا۔ میں نے اس کی تاریخ کی تحقیق کی تو پتہ چلا کہ بنو امیہ کے دور میں اس کڑے کو بطور علامت لگایا گیا۔

حتمی طور پر نشاندھی مشکل ہے کہ کس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کو باندھا تھا بہر حال یہی وہ جگہ ہے جو سینہ بہ سینہ روایت کے مطابق چلی آرہی ہے۔ لوگ وہاں جاتے ہیں دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں۔ اور بطور تبرک اس کڑے کو ہاتھ لگاتے ہیں حالانکہ وہ دور نبوی میں نہ تھا۔ ہم نے وہاں کچھ دیر گزاری اور ان نورانی لمحات سے مشام جان معطر کرتے رہے کہ اس مبارک جگہ ہمارے آقا و مولی نے قدم مبارک رکھے تھے اور اسی علاقے سے آپ کو آسمانوں کی سیر کے لیے لیجایا گیا تھا۔ یوں آپ امام الانبیاء والمرسلین بھی بنے، اور امام القبلتین کے منصب جلیلہ پر فائز ہوئے تھے۔ اس طرح حق تعالیٰ نے تقریباً 2621 سال کے بعد یہاں بننے والی "مسجد اقصیٰ" اہل مسجد یعنی امت مسلمہ کو ہمیشہ کے لیے عطا فرما دی۔ اور اس قوم کو جو یہاں ستر سال سے ناجائز قابض ہو رہی ہے اور جس نے ہمیشہ قتل و غارت کا معرکہ گرم رکھا اور آج بھی اسی کا فساد ہر سو پھیلا ہوا ہے۔ جس نے رحمۃ للعالمین کی پیروی کے اعزاز کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، حالانکہ امت اسلام، رحم و محبت کی علمبردار اور امن وسلامتی کی پیامبر جماعت ہے۔۔۔ اس خیر امۃ۔۔۔ کو کعبۃ اللہ سے چالیس سال بعد تعمیر ہونے والی دنیا کی دوسری بڑی مسجد "مسجد اقصیٰ" کی سرزمین کی وراثت بھی عطا فرمادی گئی ہے۔ محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و رحمت ،نزول قرآن کا واقعہ، امت محمدیہ کی تشکیل و تنصیب، خاتم النّبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رافت و شفقت سے معمور جماعت کی تشکیل دنیائے انسانیت کے لیے ایک بہت بڑا انقلاب تھا۔ ایسے انقلاب جو صدیوں میں ماہ و سال کی گردش کے بعد نمودار ہوتے ہیں۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد (نور اللہ مرقدہ) کے بقول یہی وہ موقع تھا جب ایک رات کو ہزار راتوں سے بہتر قرار دیا گیا تھا کیونکہ ایسے فیصلے چند سالوں میں نہیں صدیوں میں ہو پاتے ہیں۔

﴿لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ﴾ معراج النبی، مسجد براق، دیوار براق، اور اس سے متصل مسجد قبلی (مسجد اقصی) کے جوار میں بیٹھے ہوئے مجھے جب یہ مناسبت نظر آئی اور امام الہند کی یہ تفسیر سمجھ میں آئی تو روح کی گہرائیوں میں لذت وحلاوت کی وہ لہر دوڑ گئی جس کو لفظوں میں بیان نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے امام مسجد اقصیٰ سے اپنی ان دلی کیفیات کو بیان کیا تو انہوں نے کہا: "دراصل یہ چیز دیکھنے کی نہیں محسوس کرنے کی ہوتی ہے، نظر بازی سے نہیں اندازی سے ملتی ہے۔ چھو کر نہیں احساسات سے محسوس کی جاسکتی ہے، یہ کیفیات ظاہر نہیں ہوتیں وارد ہوتی ہیں۔

آہستہ برگ گل بفشاں بر نگار ما
کہ بس نازک است شیشہ دل در کنار ما



امن و سلامتی کی راہ وہی ہے جس کے علم بردار آئمہ احناف کا پہلا گروہ امام ابو حنیفہ، امام محمد، امام ابو یوسف اور ان کی روش پر چلنے والے علماء (جناب عبد الحی لکھنوی وغیرہ) ہیں اور یہی راہ امت مسلمہ کی وحدت کی ضمانت بھی ہے اور فقہی اختلافات و حزبی تعصبات کے خاتمے یا کم از کم اس کی شدت کو کم کرنے کا واحد ذریعہ بھی۔ اور یہ محدثین کی راہ ہے، کسی ذہنی تحفظ کے بغیر عمل بالحدیث کی راہ ہے، فقہی جمود کی بجائے فقہی توسع کی راہ ہے اور ہر صورت میں نصوص شریعت کی برتری کو ماننے اور قائم رکھنے کی راہ ہے اور اس کے خطوط حسب ذیل ہیں:

محدثین کا مسلک و منہج اور اہل تقلید کا رویہ

1۔ محدثین کے نزدیک بجا طور پر حدیث کی صحت و ضعف کی تحقیق میں سند کو بنیادی اہمیت حاصل ہے لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء۔ سند کو تسلیم نہ کیا جائے تو پھر ہر شخص جو چاہے کہہ سکتا ہے۔

سند ہی غیر صحیح روایات کو جانچنے کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ اس بنیاد سے غیر صحیح روایات کو صحیح قرار دینے کے تمام چور دروازے بند ہو جاتے ہیں لیکن اس چور دروازے کو کھلا رکھنے کے لئے اس بنیادی اصول سے گریز کی بہت سی راہیں اختیار کر لی گئی ہیں جیسے مثلاً کہا جاتا ہے:

فلاں امام نے جو بات کہی ہے آخر ان کے سامنے بھی تو کوئی حدیث ہو گی۔

یا ان کے دور تک اس حدیث کی سند میں کوئی راوی ضعیف متروک اور کذاب نہیں ہو گا۔

یا حدیث کی صحت و ضعف ایک اجتہادی امر ہے، اس لئے ایک مجتہد نے جس حدیث سے استدلال کیا ہے، چاہے وہ ضعیف بلکہ موضوع ہی ہو، اسکا استدلال صحیح ہے۔ کسی دوسرے مجتہد کو اس بات کو رد کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔

یا روایت تو ضعیف یا موضوع (من گھڑت، یعنی بے سند) ہے لیکن اسے، تلقی بالقبول، کا درجہ حاصل ہے جیسے اول ما خلق اللہ نوری، یا، لولاک لما خلقت الافلاک، جیسی بے سند بنائی ہوئی حدیثیں ہیں۔ یہ دونوں من گھڑت روایات بریلوی حضرات ہی نہیں علماء دیو بند بھی اپنی کتابوں میں لکھتے اور اپنے وعظ و تقریر میں بیان کرتے ہیں۔

یا حسن ظن کی بنیاد پر مرسل روایات کو صحیح تسلیم کرنا۔

یا درایت کے خلاف ہونے کا دعوی کر کے روایت کو رد کر دینا۔

یا اپنے خود ساختہ اصولوں کی روشنی میں صحیح احادیث کو رد کر دینا، جس پر شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز دہلوی نے بھی احتجاج کیا ہے۔

یا (بزعم خویش) یہ دعوی کر کے کہ فلاں حدیث قرآن کے معارض ہے، حدیث کو رد کر دینا (جب کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے معارض نہیں)

یا احادیث آحاد کو نظر انداز کرنا۔

یا غیر فقیہ راوی (صحابی) کی روایت قیاس کیخلاف ہوگی تو نامقبول ہو گی۔

اور اسی قسم کے دیگر طریقے یا اصول، جن کے ذریعے سے صحیح حدیث کو بلا تامل رد کر دیا جاتا ہے اور ضعیف، مرسل حتی کہ موضوع حدیث تک کو قبول کر لیا جاتا ہے۔ یہ محدثین کے مسلک و منہج کے خلاف یا بالفاظ دیگر ثابت شدہ نصوص حدیث کو مسترد کرنے یا غیر ثابت شدہ بات کو شریعت باور کرانے کی مذموم سعی ہے جس کے ہوتے ہوئے کبھی نصوص شریعت کی بالا دستی قائم نہیں ہو سکتی اور نہ اختلافات کا خاتمہ ہی ممکن ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان چور دروازوں کا کوئی تعلق امام ابو حنیفہ سے نہیں ہے یہ سب بعد کے لوگوں کی ایجاد ہیں ان میں سے کوئی ایک اصول بھی امام ابو حنیفہ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا۔ گویا محدثین کی روش کو اپنانا امام صاحب کی تقلید کے منافی نہیں ہے۔

2۔ محدثین کا دوسرا وصف امانت و دیانت کا اہتمام ہے۔ انہوں نے احادیث کی جمع و تدوین میں بھی کمال دیانت کا مظاہرہ کیا ہے اور جرح و تعدیل کے اصولوں کو استعمال کر کے احادیث کا رتبہ متعین کرنے میں بھی انہوں نے کسی ذہنی تحفظ کا مظاہرہ کیا ہے، نہ حزبی و فقہی تعصب کا۔

اہل تقلید میں امانت و دیانت کی بھی کمی ہے اس کی بہت سی مثالیں دی جا سکتی ہیں لیکن یہاں ہم صرف چار مثالیں پیش کریں گے۔ دو علمائے دیو بند کی تیسری، بریلوی حضرات کی۔ (یہ دونوں ہی امام ابو حنیفہ کے مقلد کہلاتے ہیں)۔ چوتھی مثال، دونوں میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتی ہے۔

پہلی مثال: خواتین نماز کس طرح پڑھیں؟ یعنی وہ رکوع سجدہ کس طرح کریں؟ ہاتھ کہاں باندھیں؟ رفع الیدین کس طرح کریں؟

عورتوں کی بابت کسی بھی صحیح حدیث میں ان امور کی

وضاحت نہیں ملتی، اس لئے وہ نبی ﷺ کے فرمان صلوا کما رأیتمو نی اصلی (بخاری: رقم حدیث 231) کے عموم میں شامل ہوں گی اور مذ کورہ سارے کام مردوں ہی کی طرح سر انجام دیں گی۔ جیسا کہ اس کی کچھ تفصیل اس سے پہلے بھی ہم نے بیان کی ہے لیکن علمائے احناف کہتے ہیں کہ مرد اور عورت کی نماز میں فرق ہے۔ خواتین کا طریقہ نماز ، تالیف جناب عبد الرؤف سکھروی ہمارے سامنے ہے۔ اس میں ان فروق کو بیان کرنے کے لئے احادیث کے نام سے کئی احادیث بیان کی گئی ہیں لیکن ان میں سے کوئی ایک حدیث بھی صحیح نہیں ہے۔ اور ستم ظریفی کی انتہاء ہے یا امانت و دیانت کے فقدان کا یہ حال ہے کہ ان بیان کردہ احادیث میں ، السنن الکبری للبیہقی، کی دو روایات بھی ہیں جن کو درج کر کے امام بیہقی نے لکھاہے۔ لا یحتج بامثا لھما (یہ روایات اتنی ضعیف ہیں کہ ان جیسی روایات سے استدلال نہیں کیا جا سکتا) لیکن مذکورہ کتاب کے مولف نے الفاظ کو تو نقل نہیں کیا، البتہ دونوں ناقابل استدلال روایات کو اپنے استدلال میں پیش کیا ہے۔ یہی حال دیگر روایات کا ہے جو انہوں نے پیش کی ہیں فالی اللہ المشتکی۔

دوسری مثال: احناف کے چوٹی کے عالم جناب احمد علی سہارنپوری کی ہے جن کا حاشیہ صحیح بخاری متداول ہے ۔ انہوں نے حدیث : اذا اقیمت الصلوۃ فلا صلاۃ الا المکتوبہ (صحیح مسلم: 810) جسے امام بخاری نے ترجمۃ الباب (کتاب الصلوۃ باب 38) میں ذکر کیا ہے ۔ اس کے حاشئے میں سنن بیہقی کے حوالے سے یہی حدیث نقل کی ہے اس میں الا رکعتی الفجر کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ یعنی فرض کی تکبیر ہو جانے کے بعد کوئی نماز نہیں، البتہ فجر کی دو رکعتیں (سنتیں) پڑھنا جائز ہے۔ حالانکہ امام بیہقی نے اس اضافے کی بابت صراحت کی ہے کہ، یہ اضافہ (یعنی فجر کی دو سنتیں پڑھنا جائز ہے) بے اصل ہے۔ اور لکھتے ہیں کہ اس اضافے کو بیان کرنے والے حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر ہیں اور یہ دونوں راوی ضعیف ہیں (السنن الکبری للبیہقی۔ جلد 4 ص 483 طبع قدیم) اس کے باوجود ایک صحیح حدیث کو رد کرنے اور اپنے خلافِ حدیث رواج کو صحیح باور کرانے کے لئے صحیح بخاری کے فاضل محشی نے اس بے اصل اضافے کو حدیث رسول کہہ کر بیان کیا ہے۔ (صحیح بخاری۔ ج1 ص197 طبع نور محمد)

یہ بات بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ صحیح بخاری کا یہ حاشیہ آج سے تقریباً سوا سو سال قبل جب چھپ کر پہلی مرتبہ منظر عام پر آیا تھا تو شیخ الکل میاں نذیر حسین محدث دہلویؒ نے ایک مکتوب کے ذریعہ سے اس کوتاہی یا بددیانتی کی طرف توجہ دلائی تھی لیکن اس کی اصلاح نہیں کی گئی اور صحیح بخاری کے عربی حاشئے میں یہ بے اصل حدیث، حدیث رسول کے نام سے اب تک موجود ہے۔ میاں نذیر حسین محدثؒ دہلوی کا یہ مکتوب جو عربی میں ہے کتاب، اعلام اہل العصر، تالیف جناب شمس الحق ڈیانوی میں موجود ہے فالی اللہ المشتکی

غالباً اسی بے بنیاد روایت کی بنا پر عام مسجدوں میں فجر کی جماعت کے دوران میں لوگ بے دھڑک سنتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں اور حدیث رسول، نماز کی تکبیر ہونے کے بعد فرض نماز کے علاوہ کوئی نماز نہیں (صحیح مسلم) کی خلاف ورزی کی جاتی اور واذا قرئ القر آن فا ستمعوا لہ و انصتوا لعلکم ترحمون (الاعراف) جب قرآن پڑھا جارہا ہو تو تم کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔، کا ذرا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ اور علماء یہ منظر روزانہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں لیکن فقہی جمود نے ان کی آنکھوں پر پٹیاں باندھی ہیں۔

تیسری مثال: بریلوی حضرات کے ہاں رواج ہے کہ نماز جنازہ کے فوراً بعد میت کے ارد گرد کھڑے ہو کر سب ہاتھ اٹھا کر دعا مانگتے ہیں۔ اسکو وہ بہت ضروری سمجھتے ہیں۔ دلیل کیا ہے؟

نبی ﷺ کی حدیث ہے: اذا صلیتم علی المیت فا خلصوا لہ الدعا (سنن ابوداؤد: رقم حدیث 3199)۔ اسکا صحیح ترجمہ تو یہ ہے کہ جب تم میت کی نماز جنازہ پڑھنے لگو تو اخلاص کے ساتھ اس کے لئے (مغفرت کی) دعا کرو، جیسے قرآن مجید میں ہے یا ایھا الذین آ منوا اذاقمتم الی الصلوۃ فاغسلوا و جوھکم (المائدہ)

اے ایمان والو! جب تم نماز کے لئے کھڑے ہونے لگو تو وضو کرو۔

لیکن بریلوی حضرات (اذا صلیتم ---) کا ترجمہ کرتے ہیں، جب تم نماز پڑھ چکو تو---۔ اور اس طرح ترجمے میں بددیانتی کا ارتکاب کر کے جنازے کے بعد دعا مانگنے کے اپنے غیر مسنون عمل کا جواز ثابت کرتے ہیں حالانکہ اگر یہ ترجمہ صحیح ہے، تو پھر ان کو وضو بھی نماز کھڑے ہونے کے بعد ہی کرنا چاہیے، نہ کہ نماز سے پہلے، جیسا کہ آیت یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم کا ترجمہ بریلوی استدلال کے مطابق کرنے کا اقتضا ہے۔

اسی طرح قرآن کے اس حکم فاذا قرأت القر آن فاستعذ با للہ (نحل: 98) کا ترجمہ و مفہوم بھی یہ ہونا چاہیے کہ جب تم قرآن پڑھ چکو تو شیطان سے پناہ مانگو۔ یعنی اعوذ باللہ تلاوت قرآن کے بعد کیا کرو۔ کیا یہ ترجمہ و مفہوم صحیح ہو گا؟

چوتھی مثال۔ یہی حال ان احادیث کی صحت و ضعف کے معاملے میں ہے جو اختلافی مسائل میں مدار بحث

بنتی ہیں۔ ان میں نہایت بے خوفی سے امانت و دیانت کا خون کر کے ثقہ راویوں کو ضعیف اور ضعیف راویوں کو ثقہ ثابت کرنے پر سارا زور صرف کیا جاتا ہے جس کی تفصیل التنکیل بما فی تأنیب الکوثری من الاباطیل (تالیف شیخ عبدالرحمن بن یحیی یمانی) میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اس میں ایک لطیفہ یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک راوی اپنی کسی من پسند روایت میں ہوتا ہے تو اسے اس وقت ثقہ باور کرایا جاتا ہے اور وہی راوی جب اس روایت میں ہوتا ہے جس سے دوسرا فریق استدلال کرتا ہے تو وہ ضعیف قرار پاجاتا ہے۔

ایک اور لطیفہ یہ ہوتا ہے کہ ایک حدیث میں دو تین باتیں ہوتی ہیں، ان میں سے کوئی ایک بات تو قبول کر لی جاتی ہے کہ اس سے ان کے کسی فقہی مسلکے کا اثبات ہوتا ہے اور دوسری باتیں رد کر دی جاتی ہیں کیونکہ وہ فریق مخالف کے موافق ہوتی ہیں، حالانکہ حدیث ایک ہے، سند ایک ہے، اگر وہ حدیث صحیح ہے تو اس میں بیان کردہ ساری ہی باتیں صحیح ہیں، ان میں سے کسی بات کو مان لینا اور بعض کو نہ ماننا، اسے کون معقول طرز عمل قرار دے سکتا ہے؟ اسی طرح اگر وہ ضعیف ہے، تب بھی معاملہ ایسا ہی ہے۔ اس کی ساری ہی باتیں نا قابل تسلیم ہونی چاہییں اس کا کوئی ایک جزء قابل استدلال نہیں ہو سکتا۔

یہ لطائف ہمارے فقہی جدل و مناظرہ میں عام ہیں۔ ظاہر بات ہے امانت و دیانت کی موجودگی میں ان کا امکان ہے نہ جواز ہی ہے۔

3۔ محدثین کے منہج کی تیسری نمایاں خوبی جمع و تطبیق کا اہتمام ہے۔ بعض روایات میں جو ظاہری تعارض نظر آتا ہے اسکے حل کے لئے محدثین حسب ذیل طریقے اختیار کرتے ہیں

1۔ سند کے اعتبار سے اگر ایک روایت صحیح ہے اور دوسری ضعیف، تو صحیح السند روایت کو وہ قبول کر لیتے ہیں اور ضعیف کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔

2۔ اگر سند کے اعتبار سے دونوں صحیح ہوتی ہیں لیکن درجہ صحت میں ایک کو دوسری پر کسی وجہ سے برتری حاصل ہوتی ہے تو وہ راجح قرار پاتی ہے۔ جیسے ایک روایت سنن کی ہے جب کی دوسری متفق علیہ یا صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی ہے، تو یہ دوسری قسم کی روایات صحت کے اعتبار سے سنن اربعہ کی روایات سے فائق ہیں انکو سنن کی روایات کی روایات پر ترجیح حاصل ہو گی۔

3۔ بعض متعارض روایات میں قرائن سے تقدیم و تاخیر کا علم بھی ہو جاتا ہے وہاں موخر روایت کو ناسخ اور مقدم روایت کو منسوخ تسلیم کر لیا جاتا ہے

4۔ جہاں تقدیم و تاخیر کا علم بھی نہ ہو اور صحت کے لحاظ سے بھی دونوں یکساں ہوں تو محدثین دونوں روایات کا ایک محمل اور مفہوم بیان کرتے ہیں جس سے ان کا ظاہری تعارض دور ہو جاتا ہے، اس کو جمع و تطبیق سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے مزارعت کی احادیث ہیں، بعض سے مزارعت کا جواز ثابت ہوتا ہے بعض سے ممانعت۔ محدثین نے کہا کہ ممانعت کا تعلق ان صورتوں سے ہے جن میں کسی ایک فریق پر ظلم و زیادتی کا امکان ہے، اور جن میں ایسی صورت نہ ہو، وہاں جواز ہے۔

اسی طرح کئی اور احادیث ہیں جن میں کسی میں نہی ہے تو کسی میں جواز ہے۔ یہاں محدثین نہی کو نہی تنزیہی قرار دیتے ہیں، یعنی اس کام کو نہ کرنا بہتر ہے تاہم کسی موقع پر اسے کر لیا جائے تو اس کا جواز ہے۔ جیسے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت کی روایات بھی ہیں اور جواز کی بھی۔ اس میں بھی تطبیق یہی ہے کہ بیٹھ کر پانی پینا بہتر ہے تاہم کھڑے ہو کر پینا بھی جائز ہے و علی ہذا القیاس، اس طرح کی دیگر روایات ہیں۔

منہج محدثین سے انحراف کرنے والے جمع و تطبیق کے معاملے میں بھی بہت سے گھپلے کرتے ہیں، وہ حدیث کو اہمیت دینے کے بجائے فقہی اقوال و آراء کو اہمیت دیتے ہوئے بعض متعارض روایات میں خلاف واقعہ ناسخ و منسوخ کا فیصلہ کرتے ہیں۔ جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ رفع الیدین کی احادیث منسوخ ہیں اور رفع الیدین نہ کرنے کی احادیث ناسخ ہیں جب کہ اس کی کوئی معقول دلیل ان کے پاس نہیں ہے، حتی کہ جناب سید انور شاہ کشمیری نے بھی اس دعوی کی نفی کی ہے۔ لیکن اپنے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے اس قسم کے دعوے ان کی طرف سے عام ہیں اور بعض ستم ظریف تو یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ابتداء میں رفع الیدین کا حکم اس لئے دیا گیا تھا کہ لوگ اپنی بغلوں میں بت چھپا کر لے آیا کرتے تھے جب بتوں کی یہ محبت ختم ہو گئی تو رفع الیدین کا حکم بھی منسوخ ہو گیا: ما لهم به من علم و لا لآبا ئهم كبرت كلمة تخرج من افوا ههم ان يقو لو ن الا كذباً۔ الکہف

یا محدثین کرام کی اس طرح توہین کرتے ہیں کہ محدثین تو محض عطار (دوا فروش) تھے، جس طرح ایک عطار اپنی دوکان پر ہر طرح کی جڑی بوٹیاں رکھتا ہے لیکن وہ ان کے خواص اور تاثیرات سے لاعلم ہوتا ہے، ان کے خواص و تاثیرات سے ایک طبیب حاذق ہی واقف ہوتا ہے۔ مجتہدین یا فقہاء کی حیثیت بھی طبیب حاذق کی طرح ہے، ایک فقیہ ہی نے یہ فیصلہ کرنا ہے کہ محدثین نے اپنی دکان (احادیث کے مجموعوں) میں جو (نعوذ باللہ) ہر طرح کی جڑی بوٹیاں (احادیث) جمع کر لی ہیں، ان میں سے کون سی حدیث کو لینا ہے اور کس کو ترک کرنا ہے؟ یعنی تطبیق و ترجیح یا اخذ و ترک کا فیصلہ نقد و تحقیق حدیث کے مسلمہ اصولوں کی روشنی میں نہیں، بلکہ فقیہہ نے اپنی فقاہت کی روشنی میں کرنا ہے۔ اور یہ فقاہت ایک مخصوص

عینک کا نام ہے۔ ہری عینک والے کو ہر چیز ہری، کالی عینک والے کو کالی، لال عینک والے کو لال نظر آتی ہے۔ چنانچہ حنفی فقیہہ کا استدلال کچھ ہو تا ہے، شافعی فقیہہ کا کچھ و ھلمّ جرّاً۔ اس لئے کہ ان سب کی عینکیں الگ الگ رنگ کی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہو تا ہے کہ اسلام کی تعبیر: شد پریشان خواب من از کثرت تعبیرھا، کی آئینہ دار بن جاتی ہے محدثین کی صاف شفاف بے غبار اور بے آمیز عینک کوئی استعمال نہیں کرتا جس میں ہر چیز اپنی صحیح اور اصلی شکل میں نظر آتی ہے۔

طبیب حاذق کی یہ حذاقت یا فقیہہ کی یہ فقاہت ہی یا الگ الگ رنگ کی یہ عینکیں ہی افتراق امت کے اسے کا سب سے بڑا سبب ہیں اسلئے جب تک محدثین کے منہج و مسلک کو اختیار نہیں کیا جائے گا، اس افتراق کا سدباب ممکن نہیں ہے۔

محدثین کرام کو فقاہت سے عاری محض ایک عطار کہنا اسی طرح خلاف واقعہ اور ان کی توہین ہے جیسے نور الا نوار اور اصول الشاشی وغیرہ میں حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت انسؓ جیسے صحابہ کو غیر فقیہہ قرار دینا خلاف واقعہ اور ان کی توہین ہے۔ اور یہ دونوں ہی باتیں انکار حدیث کے چور دروازے ہیں۔ مذکورہ صحابہ کو غیر فقیہہ قرار دینے سے مقصود بھی ان کی بیان کردہ روایات سے جان چھڑانا اور اپنے قیاس ورائے کو ترجیح دینا ہے، اسی طرح محدثین کو عطار کہنے سے مقصود بھی ان کی جمع کردہ حدیثوں کے مقابلے میں فقہاء کی موشگافیوں کو اختیار کرنا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ صحابی غیر فقیہہ تھے، نہ محدثین ہی فقاہت سے عاری تھے۔ ان کی فقاہت تو ابواب بندی (تراجم) ہی سے واضح ہو جاتی ہے بالخصوص امام بخاری کی فقاہت تو ان کے ایک ایک ترجمۃ الباب میں نمایاں ہے۔ اسی لئے کہا جاتا ہے فقہ البخاری فی تراجمہ (امام بخاری کی فقاہت ان کے تراجم میں ہے) تاریخ اسلام کے ایسے بے مثال فقیہہ کو محض عطار کہنا ایک ایسی شوخ چشمانہ جسارت ہے جس کا حوصلہ ایسے ہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں حدیث کی عظمت کی بجائے فقیہانہ قیل و قال کا احترام زیادہ ہے سبحانک ہذا بہتان عظیم

بہر حال بات ہو رہی تھی محدثین کرام کے جمع و تطبیق کے اصولوں کی۔ اگر ان اصولوں کو ان مسائل میں بھی اختیار کر لیا جائے جو فریقین کے درمیان ما بہ النزاع ہیں تو بہت سے نزاعات کا خاتمہ ہو سکتا ہے اور اگر محدثین کی مذکورہ تینوں امتیازی خصوصیات ہی کو اپنا لیا جائے جن کی وضاحت کی گئی ہے تو بیشتر اختلافات کا خاتمہ ممکن ہے۔ اختلافات کی بنیاد حدیث کے بارے میں نقطہ نظر کا فرق ہی ہے۔ جب تک نقطہ نظر کا یہ فرق ختم نہیں ہو گا اور حدیث کی عظمت کو اس طرح تسلیم نہیں کیا جائے گا جس طرح کہ اس کا حق ہے، اور احادیث صحیحہ کو کسی بھی عنوان حیلے یا وضعی اصولوں سے رد کرنے کا طریقہ نہیں چھوڑا جا ئے گا، جن کی بابت پورے یقین و اذعان سے ہمارا دعوی ہے کہ امام ابو حنیفہ کا ان اصولوں سے کوئی واسطہ نہیں ہے، اس وقت تک اختلافات کا خاتمہ تو کجا ان کی شدت کو کم بھی نہیں کیا جا سکتا۔

بات قدرے طویل ہو گئی ہے لیکن اس لئے ناگزیر تھی کہ علمائے احناف کے جن دو گروہوں سے اہل حدیث کا اختلاف ہے، وہ واضح ہو جائے، یہ دوسرا گروہ آئمہ احناف (امام ابو حنیفہ و صاحبین وغیرہ) یعنی احناف کے پہلے گروہ سے قولاً تو متفق ہے لیکن عملاً اس سے مختلف ہے، اسی لئے اہل حدیث کا ان سے بھی شدید اختلاف ہے۔

علمائے احناف کا دوسرا گروہ

اپنے آئمہ ثلاثہ کی روش سے یکسر مختلف روش اختیار کرنے والے علمائے احناف کی دوسری قسم نہایت غالی قسم کی ہے اور یہ قول کی حد تک بھی حدیث کی اہمیت کو تسلیم نہیں کرتا، نیز تقلید حرام پر بھی فخر کا اظہار کرتا ہے جس کو جناب اشرف علی تھانوی اور جناب محمود حسن دیوبندی وغیرھما نے بھی کفر قرار دیا ہے جیسا کہ ان کے اقتباسات پہلے گذر چکے ہیں۔ اس کی بابت زیادہ تفصیل کی ضرورت نہیں چند اقتباسات ہی سے اس کی اصل حقیقت سامنے آ جاتی ہے۔ اس گروہ کے اس دور کے سرخیل جناب امین اوکاڑوی ہیں، جو چند سال قبل فوت ہوئے ہیں، اسی گروہ کے ایک، شیخ الحدیث والتفسیر، جناب منور احمد ہیں، ان کی ایک کتاب، بارہ مسائل، کے نام سے مطبوع ہے، یہ کتاب مغالطات و تلبیسات بلکہ کذبات و خداعات کا مجموعہ ہے۔ موصوف اس کے حصہ اول میں تحریر کرتے ہیں:

احادیث کی صحت و ضعف کے بارے میں ہمارا اصول یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ اور ان کے تلامذہ حضرات نے آثار صحابہ اور آثار تابعین و تبع تابعین اور عملی تواتر کی روشنی اور رہنمائی میں اپنے اجتہادی اصولوں کے تحت، جن جن احادیث کے معمول بہ و صحیح ہونے کا فیصلہ فقہی مسائل کی صورت میں دیا ہے، ہمارے نزدیک وہی صحیح ہیں، اگرچہ محدثین ان کو سند کے اعتبار سے ضعیف لکھ دیں۔ اور جن حدیثوں کو ان حضرات نے غیر معمول بہا قرار دیا ہے، وہ ہمارے نزدیک ضعیف ہیں اگرچہ محدثین ان کو سنداً صحیح قرار دیں۔

(کتاب بارہ مسائل۔ ص 9۔ ناشر اتحاد اہل السنت و الجماعت۔ ملنے کا پتہ مرکز اہل السنت والجماعت 87 جنوبی لاہور روڈ سرگودھا مطبوعہ دسمبر 2005ء)

☆☆☆

